

مکتوب نمبر ۶۹

محمد مراد بدخشی کی طرف صادر فرمایا۔

نماز کے ارکان کی تعدیل اور صفوں کی درستی اور اس بیان میں کہ جو آدمی کفار سے جہاد کے لئے جائیں۔ وہ میت سمجھ کرے۔ تاکہ اس پر نتیجہ مرتب ہو اور نماز تہجد کا حکم دینا اور خواب میں احتیاط کرنا۔ اور ان کے مناسبات کے بیان میں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى۔

گرامی نامہ جو آپ نے ارسال کیا تھا چونکہ اس میں دوستوں کے ثبات اور استقامت کے متعلق لکھا تھا۔ لہذا بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو زیادہ سے زیادہ ثبات و استقامت عطا فرمائے۔ لکھا تھا کہ خادم جس امر کا کام لے رہا ہے۔ دوستوں کی ایک جماعت کے ساتھ جو کہ طریقہ میں داخل ہیں۔ اس پر ہمیشگی کرتا ہے۔ اور بیخ وقت نماز ادا کرتا ہے۔ پچاس ساتھ آدمیوں کے ہمراہ ادا کرتا ہے۔

اس پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تعریف ہے۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ کہ باطن ذکر الہی سے معمور ہو اور ظاہر احکام شرعی سے آراستہ ہو۔ اکثر آدمی اس زمانہ میں نماز کی ادائیگی میں سستی کرتے ہیں۔ اور طمانیت اور تعدیل ارکان کی پابندی نہیں کرتے۔ اس لئے دوستوں کو اس کے متعلق تاکید اور مبالغہ سے لکھتا ہوں۔ خود سے سنیں۔ خبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ بدترین چور وہ ہے۔ جو نماز کی چوری کرے۔ صحابہ نے پوچھا۔ اے اللہ کے رسول نماز کس طرح چور ہوتی ہے۔ تو آنحضرت نے فرمایا۔ وہ نماز کے رکوع اور سجود کو پورا نہیں کرتا۔ اور یہ بھی فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کی نماز کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا جو اپنے رکوع و سجود میں پیچیدہ ثوابت نہ رکھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا۔ وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ اور رکوع و سجود پورا نہیں کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تو اسی حالت پر مریگا۔ تو تو دین

صلی اللہ علیہ وسلم دوامی مشکوٰۃ شریف ۱۲

لکھ مسند احمد بروایت طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲

لکھ بخاری شریف ۱۲

محمد پر نہیں مرے گا۔ اور اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے۔ تم میں سے کسی کی اس وقت تک نماز پوری نہیں ہو سکتی۔ جب تک رکوع کے بعد پوری طرح کھڑا نہ ہو جائے۔ اور اپنی بیٹھ کو سیدھا نہ کرے۔ اور اس کا ہر عضو اپنی جگہ پر قرار نہ پکڑے۔ اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ جب تک دونوں سجدوں کے درمیان نہ بیٹھے۔ اور اپنی بیٹھ کو سیدھا نہ کرے۔ اور ثابت نہ رکھے۔ اس کی نماز پوری نہیں ہو سکتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک نماز پڑھتے ہوئے آدمی کے پاس سے گزرے دیکھا کہ وہ قومہ جلسہ کے ارکان کا حکام پوری طرح بجا نہیں لاتا۔ تو آپ نے فرمایا: اگر تو اسی حالت میں مرا تو قیامت کے روز تجھے میری امت نہ کہیں گے۔ اور ایک اور روایت میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اگر تو اسی حالت پر مرا تو دین محمد پر نہ مرے گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کوئی ایسا آدمی ہوتا ہے۔ کہ ساٹھ سال تک نماز پڑھتا ہے۔ اور اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ یہ وہ شخص ہے۔ جو رکوع و سجود کو پوری طرح بجا نہیں لاتا۔ کہتے ہیں کہ یہ دین و مہربانی سے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھتا ہے۔ اور رکوع و سجود پوری طرح نہیں کرتا۔ تو ایک شخص نے اس آدمی کو بلایا۔ اور کہا کہ تیری مدت سے تو اس طرح نماز پڑھ رہا ہے۔ اسنے کہا چالیس سال سے تو کیا۔ تو نے اس چالیس سال میں ایک بھی نماز نہیں پڑھی۔ مگر تیری موت ہو گئی۔ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر نہیں ہوئی۔

مقتول ہے۔ کہ مومن بندہ جب نماز پڑھتا ہے۔ اور اس کے رکوع و سجود اچھی طرح ادا کرتا ہے۔ تو وہ نماز غنی ہر آں ہے۔ اور نورانی ہوتی ہے۔ اور فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں۔ اور نماز اپنے نماز پڑھنے والے کے لئے اچھی دعا کرتی ہے۔ اور کہتی ہے۔ جس طرح تو نے میری حفاظت کی۔ اللہ تیری حفاظت کرے۔ اور اگر نماز اچھی طرح نہ پڑھے۔ تو وہ نماز اندھیری ہوتی ہے۔ اور فرشتوں کو اس سے کراہت ہوتی ہے۔ اور اس نماز کو آسمان پر نہیں لے جاتے۔ اور نماز اپنے نماز پڑھنے والے کے لئے بد دعا کرتی ہے۔ اور کہتی ہے۔ جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا۔ اللہ تجھے برباد کرے۔

بس نماز بھی طرح پڑھنی چاہیے۔ اور ارکان کی آمدیل پوری طرح کرنی چاہیے۔ رکوع و سجود قومہ جلسہ اچھی طرح بولانا چاہیے۔ اور دوسروں کو بھی پوری نماز پڑھنے کی ہدایت کرنی چاہیے۔ اور ارکان کو تعدیل و طمانیت سے ادا کرنا چاہیے۔ کہ اکثر آدمی اس دولت سے محروم ہیں۔ اور یہ عمل متروک ہو چکا ہے۔ اس عمل کو زندہ کرنا بھی اسلام کے

اہم کاموں میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص میری کسی سنت کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرے اس کے لئے سوشید کا ثواب ہے۔ (بہیقی شریف)

اور یہ بھی جاننا چاہیئے۔ کہ باجماعت نماز میں صفوں کو برابر کرنا چاہیئے۔ تاکہ کوئی بھی نمازی آگے پیچھے کھڑا نہ ہو کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ سب نمازی ایک دوسرے کے برابر کھڑے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے صف میں تھے فرماتے۔ اس کے بعد تکبیر تحریر کیجئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے۔ صفوں کا برابر کرنا بھی اقامت نماز سے ہے۔ اسے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔ اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔

اسے سعادت آثار، عمل نیت سے درست ہوتا ہے۔ جیسا آپ دارالحرب کے کافروں سے جہاد کے لئے گئے ہیں۔ تو پہلے نیت درست کریں۔ تاکہ اس پر نتیجہ پر مرتب ہو چاہیئے۔ کہ اس جنگ و جدال کا مقصد کلمہ اسلام کی بلندیاں اور دشمنان دین کی بربادی اور توہین ہو۔ کہ ہمیں اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جہاد کے حکم کا مقصد بھی یہی ہے۔ دوسرے امور کے ساتھ اپنی نیت کو باطل نہ کریں غازیوں کی تنخواہ تو بیت المال سے مقرر ہے۔ جو جہاد کے منافی نہیں ہے۔ اور نہ اس سے غازیوں کے اجر میں کچھ کمی ہوتی ہے۔ بد نیت املاں کو برباد کر دیتی ہے نیت صیح رکھیں۔ اور بیت المال سے تنخواہ لیں۔ اور ہمداد کریں۔ اور شہیدوں اور غازیوں کے اجر کے امیدوار رہیں۔

آپ کی حالت پر رشک آتا ہے۔ کہ باطن میں حق سے مشغول ہو۔ اور ظاہر میں بہت بڑی جماعت کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہو۔ اور اس کے بعد دارالحرب کے کافروں سے جہاد سے بھی مشرف ہو۔ جو بچ رہے گا۔ وہ غازی اور مجاہد ہے اور جو ہلاک ہو جائے گا۔ وہ شہید پاک ہے۔ لیکن یہ سب کچھ نیت کی درستی کے بعد ہی تصور ہے۔ اگر نیت کی حقیقت متحقق نہ ہو۔ تو تکلف سے بھی اپنے آپ کو اس نیت پر لائیں۔ اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے عاجزی اور زاری سے دعا کریں۔ تاکہ نیت کی حقیقت میسر ہو۔ اسے ہمارے رب ہمارے نور کو پور کر۔ اور ہمیں بخش۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

دوسری نصیحت جو دو سنتوں کو کی جاتی ہے۔ وہ نماز تہجد کا التزام ہے۔ کہ وہ طریقہ کی ضروریات سے ہے بالمشافہ بھی آپ سے کہا ہے۔ کہ اگر یہ چیز دشوار ہو۔ اور خلاف عادت بیداری میسر نہ ہو۔ تو اپنے متعلقین میں سے کچھ لوگوں کو اس پر مقرر کر دینا چاہیئے۔ تاکہ اس وقت تم کو خوشی یا ناخوشی سے جگادیا کریں۔ اور اس وقت تک بچھا نہ چھوڑیں۔ جب تک کہ تم اٹھ نہ بیٹھو۔ چند روز اس طرح کریں۔ امید ہے۔ کہ بے تکلف اس دولت پر ہمیشگی میسر ہو جائے گی۔

اور ایک اور نصیحت کھانے میں احتیاط کی ہے۔ کیا ضروری ہے۔ کہ جو کچھ بھی اور جہاں سے بھی آئے۔ اسے کھالیا جائے۔ اور شرعی حرام حلال کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ کہ یہ شخص اپنے منہ سے نہیں ہے۔ کہ جو چاہے کرتا پھرے۔ بلکہ

اس کا ایک مالک ہے۔ جل سلطانہ جس نے اس کے لئے امر و نہی کی تکلیف مقرر کی ہے۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰات والصلوات کی معرفت جو کہ سر اسر دنیا والوں کے لئے رحمت ہیں۔ اپنی خوشی اور ناخوشی کی اطلاع دے رہے۔ بڑا بند نصیب ہے۔ وہ آدمی جو اپنے مالک کی مرضی کے خلاف خواہش کرے۔ اور مالک کی اجازت کے بغیر مالک کے ملک اور ملک میں تصرف کرے۔

شرم کرنی چاہئے۔ کہ مجازی مالک کی رضامندی کا خیال رکھتے ہو۔ اور نہیں چاہتے۔ کہ کوئی دقیقہ بھی اس باب میں چھوڑا جائے۔ اور حقیقی مالک تا کید اور مبالغہ سے اپنے ناپسندیدہ امور سے روکتا ہے۔ اور سرزنش بھی کرتا ہے۔ لیکن تم اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ یہ اسلام ہے یا کفر ابھی طرح سوچو۔ ابھی کچھ نہیں گیا ہے۔ اور پہلی کتاب میں کاتدارک ممکن ہے۔ کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہ کوتاہی کرنے والوں کے لئے بشارت ہے۔ اور اس کے باوجود اگر کوئی گناہ پر اصرار کرے۔ اور اس پر غور ہو تو وہ منافق ہے۔ صرف اسلام کی صحت اس کو سزا سے نہ بچا سکے گی۔ اور عذاب کو نہ روک سکے گی۔ زیادہ تاکید اور مبالغہ کیا کروں۔ عقلمند کے لئے اشارہ ہی کافی ہے۔

دوسری یہ بات ہے۔ کہ خوفناک جگہوں اور دشمنوں کے غلبہ کے مقامات پر امن اور فاریت کے لئے سورا لایلاف کی قرأت مجرب ہے۔ کم از کم ہر روز اور ہر رات میں گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھیں اور حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے۔ کہ جو آدمی کسی مقام پر اترے۔ پھر یہ کلمے کہے۔

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ
مِنْ اللّٰہِ تَعَالٰی کے پورے کلمات کے ساتھ ہر مخلوق کی
برائی سے پناہ لیتا ہوں۔

تو اسے کوئی چیز تکلیف نہ دے گی۔ یہاں تک کہ وہ اس منزل سے کوچ کرے۔ والسلام علی من اتبع الهدی

مکتوب نمبر ۷

مولانا عبدالواحد لاہوری کی طرف صادر فرمایا۔

کعبہ معظمہ کے اسرار و حقائق کے بیان میں کہ جس طرح انسان میں عرش کا نمونہ ہے اسی طرح کعبہ معظمہ کا بھی ہے۔ اور اس کے مناسبات کے متعلق

انسان کے اندر جیسا کہ اس کا دل عرش رحمان جل شانہ کا نمونہ ہے۔ اور اس کا ظہور قلبی ظہور عرش کا نمونہ

ہے۔ بیت اللہ شریف کا بھی انسان میں نشان ہے۔ جو درمیان ہے۔ اور دائیں بائیں، سب بیگانہ ہے۔ اور حق سبقت کے لحاظ سے بے مثال ہے۔ اس دولت عظمیٰ کے اصل مالک تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہیں۔ اور ان بزرگواروں کی استوں میں سے بطور تبعیت و دراشت جس کو بھی چاہیں۔ اس دولت سے مشرف فرمائیں۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی برکت سے یہ دولت بہت زیادہ ملتی۔ اور صحابہ کے زمانہ کے بعد کم ہو گئی۔ اور پھر اب لمبی مدت کے بعد اگر کسی ایک کو اس دولت سے بطور وراثت و تبعیت مشرف فرمائیں۔ تو وہ غنیمت ہے۔ اور کبریتِ احمر ہے۔ اور یہ شخص صحابہ کرام علیہم الصلوٰۃ کی جماعت میں داخل ہے۔ اور سابقین سے ہے۔ اور اس بلند نسبت کا مالک مرکز مطلوب کی دولت سے ممتاز ہے۔

یہ درست ہے۔ کہ نفس مرکز میں بھی کئی درجے ہیں۔ لیکن یہ سبقت کی دولت سے بھی مشرف ہے۔ اس سے زیادہ اس معما کو کیسا کھولوں۔ اور اس رمز کی اس سے زیادہ کیا شروح کروں۔ اور جب اللہ کے فضل و کرم سے یہ بلند نسبت سر نکالتی ہے۔ تو تمام پہلی نسبتیں نازل ہو جاتی ہیں۔ اور ان کا نام و نشان نہیں رہتا۔ دل کی نسبت کیا اور غیر دل کی نسبت کیا؟ جب اللہ کی نہر آ جاتی ہے۔ تو عیسیٰ کی نہر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ اس جگہ کا نشان ہے۔

اس دولت والے صراط مستقیم پر ہیں۔ جو کہ مطلوب کے وصول کے برابر ہے۔ اور جو صراط مستقیم سے دائیں بائیں ہے۔ تو اس کا وصول ظلال میں سے کسی ظل تک ہے۔ اگرچہ ظل میں بھی مختلف مدارج ہیں۔ لیکن سب داغِ ظلمت سے داغدار ہیں۔

ظفرِ قراق دوست اگر اندک است اندک نیست درون دیدہ اگر نیم دوست بسیار است
جو آدمی صراط مستقیم سے ایک رانی کے دانہ کے برابر بھی جدا ہو جائے۔ تو وہ جب تک چلا جائے گا۔ دور سے دور ہوتا جائے گا۔ اور مطلوب کے وصول سے بہت دور جا پڑے گا۔ سہ
ترسم نرسی بہ کعبہ اسے اعرابی کیں را کہ تو میروی بہ ترکستان است

۱۔ دوست کا فراق اگر حضور بھی ہو تو وہ حضور نہیں ہے۔ انگو کے اند اگر آدھا بال بھی ہو تو وہ بہت زیادہ ہے۔ ۲۔

۳۔ اے اعرابی میں ڈنڈا ہوں۔ کہ تو کعبہ کو نہیں پہنچے گا۔ کہ یہ راہ جس پر تو جا رہا ہے۔ ترکستان کی راہ ہے۔ ۴۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں سیدھی راہ پر ثابت قدم رکھے۔ والسلام علی من اتبع الهدی

مکتوب نمبر ۱

(مقدمہ زادہ جامع علوم عقلی و نقلی خواہ مخواہ محمد سعید سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ کے بیان میں)

کلمہ طیبہ کا پہلا جز مرتبہ و خوب کے اثبات کا تضمن ہے۔ اور مرتبہ و خوب کا ظہور مثالی صورت میں نقطہ کی صورت سے بہت زیادہ قریب ہے۔ اس مرتبہ کے ظہور کی نسبت جو طویل و عریض ظاہر ہوتا ہے اگرچہ اس مرتبہ میں نہ نقطہ کی گنجائش ہے۔ نہ دائرہ کی نہ اس جگہ طول کی مجال ہے۔ نہ عرض و عمق کی لازمی طور پر کشفی صورت میں مثبت کلمہ نقطہ کے رنگ میں نظر آتا ہے۔ اور کلمہ محمد رسول اللہ جو کہ دعوت خلق کی خبر دینے والا ہے۔ جو اجسام اور جوارح سے تعلق رکھتا ہے۔ اور طول اور عرض کے قدم اس جگہ راسخ و مضبوط ہیں۔ تو ناچار مثالی صورت میں یہ مقام کشفی نظر میں طویل اور عریض معلوم ہوتا ہے۔ اس مقام میں سالک اپنے کچھ منکر کی وجہ سے جو کہ ابھی تک اس میں موجود ہوتا ہے۔ کلمہ ثانیہ کو دریائے محیط کی صورت میں دیکھتا ہے۔ اور پہلے کلمہ کو اس دریا کے مقابلہ میں ایک نقطہ سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس فقیر نے بھی بقیہ سر کی وجہ سے جو کہ ابھی تک تھا۔ حکم لگایا تھا۔ اور لکھا تھا۔ کہ کلمہ ثانیہ ایک ایسا دریا ہے۔ کہ اس کے پہلو میں کلمہ اولیٰ ایک نقطہ کی طرح ہے۔ اور اس مقام میں صاحب فتوحات مکمل نے بھی کہا ہے۔ کہ حج محمدی زیادہ وسیع تر ہے۔ بہ نسبت جمع بے پایاں اتنی جل سلطانہ اور پھر جب اللہ تعالیٰ کی نعمت سے بے چوں مرتبہ و خوب تعالت و تقدست کی وسعت پر تو ڈالتی ہے۔ اور اس مرتبہ مقدسہ کا بے کیف احاطہ ظاہر ہوتا ہے۔ تو تمام کائنات باوجود اس طول اور عرض کے ایک غور و ترین ذرہ کا حکم بہ نسبت اس دریائے مجسمہ پا کے رکھتی ہے۔

جس چیز کو ابتداء میں ایک نقطہ پانا تھا۔ اس وقت اس کو بے کنار سمندر پانا ہے۔ اور پہلے دریائے محیط کو سب سے چھوٹے ذرہ سے بھی بہت کمتر دیکھتا ہے۔ اس جگہ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے۔ کہ ولایت نبوت سے بہتر ہے۔ کیونکہ ولایت کو پہلے کلمہ سے مناسبت ہے۔ اور نبوت کا تعلق دوسرے کلمہ سے ہے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں۔ کہ نبوت دونوں مقدس کلمات کا حاصل ہے۔ نبوت کا سورج پہلے کلمہ سے تعلق رکھتا

اور اس کا نزول کلمہ ثانیہ سے ہیں دونوں کلموں کا مجموعہ مقام نبوت کا حاصل ہے۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے خیال کر رکھا ہے۔ اور کلمہ اولیٰ کو ولایت سے مخصوص کر رکھا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ دونوں کلمے باعتبار عروج و نزول مقام ولایت کا حاصل ہیں۔ اور اسی طرح عروج و نزول کے اعتبار سے مقام نبوت کا حاصل بھی ہیں۔ علامہ کلام یہ کہ مقام ولایت مقام نبوت کا نفل ہے۔ اور کمالات ولایت نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں۔ سر کے مقام میں جو کچھ بھی لوگ کہہ جائیں۔ وہ معذور ہیں۔ اور یہ فقیر بھی سکریات میں ان کا شریک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے خطوط میں کلمہ اولیٰ کو مناسب مقام ولایت لکھا ہے۔ اور دوسرے کلمہ کو مقام نبوت کے مناسب سکریات لکھے ہیں۔ بہرہیکہ اس کے بعد محو نصیب ہو جائے۔ اور طریقت کے کفر سے حقیقت کے اسلام میں آجائے۔ اے ہمارے رب بحر مت اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہم بھول جائیں۔ یا خطا کر جائیں۔ تو ہم پر ملاحظہ نہ فرما۔ اور اللہ اس آدمی پر رحم کرے۔ جو آمین کہے۔

مکتوب نمبر ۷۲

مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ بیت اللہ المقدس کا معاملہ تجلیات و ظہورات اور ظہور عویشی سے بلند تر ہے۔ اور حقیقت کعبہ کے وصول والحق اور اپنی ظاہری صورت سے خانہ کعبہ کی صورت کی زیارت کے شوق میں۔
الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الذِّیْنَ اَصْطَفٰی۔

ظہور عویشی اگرچہ تمام ظہورات سے بلند تر ہے۔ لیکن وہ معاملہ جو بیت اللہ المقدس سے وابستہ ہے۔ ظہورات و تجلیات سے بلند تر ہے۔ اس کے مقابلہ میں ظہور اور تجلی کا نام لینا تنگ ہے۔ تجلیات و ظہورات محیط دائرہ کا حکم رکھتے ہیں۔ اور یہ معاملہ اس دائرہ کے مرکز کا حکم رکھتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں ہے۔ کہ محیط دائرہ اپنی فراخی کے باوجود دائرہ کے مرکز کا نفل ہے۔ اس لئے کہ اسی مرکز کے نقطہ نے اپنے سامنے کو فراخ کیا ہے۔ اور سینکڑوں نقطوں کی صورت میں ظاہر ہو کر محیط دائرہ ہوا ہے۔

اور ہم جس بحث میں ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ نقطہ سے تعبیر کرنا اقرب شے کی تعبیر کے قلیل سے ہے۔ درہنہ اس جگہ نقطہ بھی دائرہ کی طرح مفقود ہے۔ نہ ظاہر کو اس جگہ محال ہے۔ نہ منظر کو اور اس مقام میں نہ اصل کی گنجائش ہے نہ نفل کی کہ اس دولت سرا سے اصل بھی نفل کی طرح راہ میں عاجز پڑا ہے۔

چہ گوئیم بالقرآن مرشد نشاند
کہ بافتخار بود ہم آشیانہ
و عفا بہت نامے پیش مروم
ز سرخ من بود آن نام ہم گم

بنی اسرائیل کے انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے کعبہ کو بیت المقدس کا مغرب ہے کے کمالات و ظہورات
بھی بالاخر اس کعبہ منظر کے کمالات سے مل جاتے ہیں۔ کیونکہ اطراف کو مرکز کے ساتھ ملنے سے کوئی چارہ نہیں ہے
راستے جب تک سر کر تک نہ پہنچیں۔ جو کہ مراط مستقیم ہے۔ مطلب و مقصود انہیں پہنچا گئے۔ ہانے کعبہ منظر کی ملاقات کا
شوق اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یقیناً سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ وہ ہے
جو مکہ میں ہے۔ برکت والا اور تمام جہالوں کے لئے ہدایت
اس میں کھلے کھلے نشان ہیں اور قلعہ المیم بھی ہے۔ اور جو
اس میں داخل ہو گیا۔ وہ امن میں ہو گیا۔ اور لوگوں پر اللہ
تعالیٰ کا حق ہے۔ کہ جس آدمی کو وہاں جانے کی طاقت ہو
وہ بیت اللہ کا حج کرے۔ اور جو انکار کرے تو اللہ تعالیٰ تمام
جہالوں سے بے نیاز ہے

اگرچہ خدا تعالیٰ کی مہربانی سے کعبہ کی حقیقت سے تو اہل حق میسر ہے۔ اور اس اسحاق کے بعد بھی بے اندازہ ترقیات
حاصل ہوئی ہیں۔ لیکن کعبہ کی صورت کو ظاہر ہیں دیکھنے کا شوق ہے۔ حج فرض ہو چکا ہے۔ اور اسے کامن بھی سلامتی کے غلبہ
کے سبب ثابت ہے۔ اور اس نے فرض کا شوق بھی کمال درجہ کا ہے۔ لیکن تاخیر و تاخیر ہے۔ سفر کے متعلق استخارہ کم ہی ملتا
کرتا ہے۔ جتنی بھی اچھی طرح تصویر کرتا ہوں۔ جانے کی راہ نہیں کھلتی۔ اور کعبہ تک پہنچنا نظر نہیں آتا۔ کیا کیا جانتے۔ اور ادلے
فرض میں تاخیر کرنے کے لئے یہ تمام عند نقادہ مند نہیں ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی توفیق سے فرض حج کی ادائیگی کے لئے گھر
سے لنگنا ہی چاہیے۔ اور سرانگھوں۔ سے ان منازل کو قطع کرنا چاہیے۔ اگر وہاں تک پہنچ جائیں۔ تو یہ ایک بہت بڑی
نعمت ہے۔ اور اگر راستہ ہی میں رہ جائے۔ تو حاجی کی امید تو کہیں گئی ہی نہیں۔ اسے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر دے
اور ہمیں بخش دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ و صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد اکرمہ و آلہ و صحابہ و بارک و سلم۔

۱۲۔ میں اس پرندے کا نشان سمجھ کر کیا بتاؤں جو عفا کا ہم آشیانہ ہے۔ ۱۲

۱۳۔ آدمی عفا کا نام تو جانتے ہی ہیں۔ اور میرے پرندے کا نام بھی معلوم نہیں ہے۔ ۱۳

۱۴۔ سورہ اکل طہران پارہ من تلو۔ ۱۴

مکتوب نمبر ۳۷

مخدوم زادہ محمد الدین خواجہ محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ کی طرف صادر فرمایا۔

انسان کامل کے ظاہر و باطن اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ذَا سَلَامٍ عَلٰی جَدِّہِ اَدْنٰی بْنِ اِصْطَفٰی۔

انسان عالم امر و عالم خلق کے مجموعہ سے عبارت ہے۔ عالم خلق کو انسان کا ظاہر اور صورت میں تصور فرمائیے اور عالم امر کو انسان کا باطن و حقیقت جانتے ہیں۔ اور اعیان ثابۃ (صور علیہ) کو جو ممکنات کی حقیقت کہتے ہیں۔ تو وہ اس اعتبار سے ہے کہ ممکنات ان اعیان کے ظلال ہیں۔ اور وہ اعیان ان کے اصول ہیں۔ کیونکہ ممکنات کی ماہیت و حقیقت وہی اعیان کے ظلال ہیں۔ کہ ممکنات ان ظلال سے ممکنات جنی ہیں۔ اور اپنا وجود ظلی پیدا کیا ہے۔ مگر خلافت ان اعیان کے کہ تعینات و جبریہ کا اس جگہ اثبات کرتے ہیں۔ اور اس کو امکان کے مراتب سے بلند سمجھتے ہیں۔

کیونکہ تعین وحدت اور تعین واحدیت کو جو کہ اعیان ثابۃ کا مرتبہ ہے۔ تعین و جبری کہتے ہیں۔ اور تین اور تعینات کو بھی جو کہ تعین روحی اور تعین مثال اور تعین سی ہیں۔ تعین امکانی سمجھتے ہیں۔ پس تعین و جبری کہتے ہیں کہ تعین امکانی کی حقیقت کہتے ہیں۔ تو یہ برسیل مجاز ہوگا۔ کیونکہ حقیقت امکانی عالم امکان سے ہوگی۔ نہ کہ مرتبہ و جوب سے۔ اصل شے جو با حقیقت شے ہے۔ پس وہ جو کہتے ہیں۔ کہ صوفی کائن اور بان ہے۔ یعنی ان کا ظاہر مخلوق کے ساتھ ہے۔ اور باطن ان سے جدا ہے۔ کہ وہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ تو ظاہر سے مراد اس کا عالم خلق سمجھتے ہیں۔ اور باطن سے اس کا عالم امر جانتے ہیں۔

اور اس مقام کو جو کہ دونوں وجود کا جامع ہے۔ بہت بلند کہتے ہیں۔ اور اس کو مقام تکمیل و ارشاد سمجھتے ہیں۔ اور تحر و عورت کہتے ہیں۔ اور اس فقیر کو اس مقام کی معرفت خاصہ حاصل ہے۔ اور وہ وہ ہے۔ اور جو شخص خواص شخص ہے۔ کہ جس کی نسبت عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے صورت اور ظاہر سے ہے۔ اور اس کا باطن وہ اسم ہوتا ہے جو اس کے تعین کا مبداء ہے۔ دوسرے اسم اور شیونہات کے ساتھ جو کہ اس اسم کا اصل ہیں۔ یہاں تک کہ شیون اور اعتبارات سے خالی ذات کی بارگاہ تک ان کی انتہا ہوتی ہے۔

یہ پوری معرفت والا عارف جب تمام امکانی مراتب کو طے کر لیتا ہے۔ تو اس کو اس اسم تک رسائی ہو جاتی ہے۔ جو اس کا قیوم ہے۔ اور اس کی ہیں امکانی مراتب سے الگ ہو کر اس اسم کے ساتھ منطبق ہو جاتی ہے۔ اور ترتیب

کے ساتھ بر سبیل مروج وہ نہیں۔ اس اسم کے اور پر کئی مراتب تک جو کہ اس اسم کے اصل کی طرح ہیں۔ انطباق حاصل کرتی ہے۔ اور اسی طریقہ سے احدیت مجرودہ تک پہنچتی ہے۔ پس یہ مراتب تمام انطباق اس کی ہیں۔ کے اس کی حقیقت ہو جاتی ہیں۔ کہ اس کا عالم اس کے عالم خلق کی طرح اس حقیقت کی صورت ہو جاتا ہے۔ اور یہ صورت اس حقیقت کے لئے لباس کی طرح ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص اس جامہ کو پہننے والا ہے۔ اور چونکہ دو سنوں کا آثار میں اس کا اطلاق کثرت صرف عالم خلق اور عالم امر پر پس ہے۔ تو لازمی طور پر ان کی صورت و حقیقت یہی عالم خلق اور عالم امر ہوتا ہے۔ اور وہ اسد محمدان تعینات کے مبادی ہیں۔ ان کے تیوتم سے زیادہ نہیں ہوں گے۔

سوال :- عارف جتنا بھی کمال معرفت پیدا کرے وہ ممکنات ہی سے ہے۔ اور امکان سے نکل کر وہ وجوب سے منتصف نہیں ہو سکتا۔ پس وہ اسم جو اس کا تیوم ہے۔ اور مرتبہ وجوب سے ہے۔ وہ کس طرح اس کی حقیقت اور اس کا جزو ہوگا۔

جواب :- ہم کہتے ہیں کہ یہ حقیقت شہود کے اعتبار سے ہے۔ نہ کہ وجود کے اعتبار سے تاکہ استحکام لازم آئے عیا
کہ بقابلہ کہتے ہیں۔ یہ شہود صرف تخیل نہیں ہے۔ اس پر منکرات اور نتائج بھی مرتب ہوتے ہیں۔ ۵
فیاد حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا : ہم قصہ یزید و حدیث عجیب ہست۔
پس معق ہوا کہ دوسروں کی حقیقت اور مجموعی صورت اس عارف کی مجرد صورت ہے کہ اس کی حقیقت کی
نسبت سے یہ صورت ایک اکہرے لباس کی مانند ہے۔ بہ نسبت اس لباس کے پہننے والے کے پس دوسرے
اس کی حقیقت سے کیا معلوم کر سکتے ہیں۔ اور کیا سمجھ سکتے ہیں۔ اور اپنی حقیقتوں اور صورتوں کے مشابہ ہونے
کے سوا اور تصور بھی کیا کر سکتے ہیں۔ اس عارف کی معرفت حق سبحانہ کی معرفت کو مستلزم ہے۔ اِذَا دَاوُدُ اُذْكِرَ
اللہ۔ رجب وہ دیکھے جاتے ہیں۔ تو اللہ یاد آجاتا ہے۔ ان عارفوں کا نشان ہے۔ اسے خداوند ایہ کیا معاملہ
ہے کہ تو نے اپنے دوستوں کو کیسے بنایا ہے۔ کہ جس نے ان کو پہچانا اس نے تجھ کو پایا۔ اور رجب تک تجھ کو نہ پایا۔
ان کو نہ پہچانا۔

اور وہ جو اس فقیر نے اپنی بعض کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے۔ کہ پوری معرفت والا عارف رجوع کے بعد کلی طور پر اپنے آپ کو دنیا والوں کی دعوت کے بیٹے متوجہ کر دیتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ اس کا ظاہر مخلوق کے ساتھ ہوتا اور اس کا باطن حق جل و علا کے ساتھ۔ اس کلیت سے مراد اس کا عالم امر اور عالم خلق ہے جس طرح کہ

۱۲۔ حافظ کی یہ تمام فریاد آخر بے مقصد نہیں ہے۔ قصہ ہی بڑا نادار اور بات بڑی عجیب ہے۔

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اوپانے کو ہر پھر عوام انسانوں کی مانند ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کوئی اقدار سے فوقیت دی ہے۔

ان لوگوں میں متعارف ہے۔ یعنی عالم خلق و عالم مردوں کی طرف دعوت کے لئے متوجہ ہوتا ہے۔ اور وہ تحقیقت و باطن جو اس فقیر نے اوپر لکھا ہے۔ تو اس سے مراد اسمِ قیوم اور اس کا مافوق ہے۔ اور اس کا حق جل و علا کے ساتھ توجہ کا کوئی معنی نہیں ہے کہ وہ تو عالمِ وجوب سے ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا۔

بہر صورت رجوع کے وقت عارفِ کامل کی توجہ پوری طرح خلق کی جانب ہوتی ہے۔ اور جس کا ایک رخ مخلوق کی طرف ہو۔ وہ تو وسط سیر میں ہے۔ لیکن اس سالک شخص سے بلند تر ہے جس کی تمام توجہ خدا تعالیٰ کی طرف ہے۔ کیونکہ یہ آدمی بندوں کے حقوق ادا کرنے میں ناقص ہے۔ اور وہ دونوں کے حقوق یعنی خالقِ جل و علا کے حقوق اور قتلنا ہو سکے۔ مخلوق کے حقوق بھی پورے کرتا ہے۔ اور خلق کو خدا تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ تو وہ اس کی نسبت زیادہ کامل ہوگا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ حق با شاء کی طرف توجہ ابدی کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور اس عارف کے حق میں بعد دوسروں کا تعجب ہو چکا ہے جو کہ توجہ کا محتاج ہے۔ کبھی تم نے کوئی ایسا آذن بھی دیکھا ہے۔ جو اپنے آپ کی طرف متوجہ ہو پھر اس کی طرف متوجہ کیسے ہو سکتا ہے جو اپنے آپ سے بھی نزدیک تر ہے۔ کہ اس کی طرف توجہ کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ اور یہ توجہ نہ کرنا اس عارف کے کمال ہے۔ کی خصوصیات سے ہے۔ اور دوزخ میں لوگ ہو سکتے ہیں کہ اس کو نفس سمجھ لیں۔ اور توجہ کو عدم توجہ سے زیادہ کمال تصور کریں۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ان کو انصاف کی توفیق دے۔ اور یہ اپنے جہل مرکب کا حکم نہ کریں۔ اور ہنر کو عیب نہ جانیں۔

مکتوب نمبر ۴۷

خواجہ ہاشم کی طرف صا اور فرمایا۔

اس آیت کے معنی میں قِمْنَةُ مُحَمَّدٍ ظَالِمٌ لِّتَقْسِيْمِہَا اور اس آیت کے معنی میں اِنَّا عَرَضْنَا الْاَلْاَمَانَةَ الْاَوَّلٰی اور انسانِ کامل کی خلافت کے بیان میں کہ اس کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ اس کو تمام شیا کا قیوم بنادیتے ہیں۔ اور یہ اپنے نفس کے لئے ظالم ہے اور مُقْتَصِد کو ندیم اور غلیل سے تعبیر کرتے ہیں اور سابق التئیرات کو محب اور محبوب سے کہ جن کے سرور حضرت ممد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا
 مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ
 وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ يُرِيدُ
 اللَّهُ

پھر ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا۔ جن کو ہم
 نے اپنے بندوں سے انتخاب کیا پھر کچھ تو ان سے اپنی
 جان پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اور کچھ میانہ رو ہیں۔ اور کچھ
 خدا کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا
 وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ
 ظَلُومًا جَهُولًا

یقیناً ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر
 پیش کیا۔ تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور
 اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔ بیشک
 وہ ظالم اور جاہل تھا۔

دونوں آیتوں کی مراد وہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ اور ہم اپنی معلومات کے مطابق ان کا مطلب بیان
 کرتے ہیں۔ اسے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں۔ یا غلطی کر جائیں۔ تو ہم پر مواخذہ نہ فرما جائنا چاہیے۔ اِنَّ اللّٰهَ
 خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهِ خداوند تعالیٰ صورت سے پاک اور بلند ہے۔ پس آدم کی خدا تعالیٰ کی صورت پر
 پیدائش کا یہی معنی ہو سکتا ہے۔ کہ اگر مرتبہ تشریف کے لئے عالم مثال میں کوئی صورت فرض کر لی جائے۔ تو وہ یہی صورت
 جامع ہوگی۔ کہ انسان اس صورت جامع پر موجود ہوا ہے۔ دوسری کسی صورت کو اس کی قابلیت نہیں ہے۔ کہ اس مرتبہ بقدر
 کی مثال ہو سکے۔ اور اس کا آئینہ بن سکے یہی وجہ ہے۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی خلافت کے لائق ہو گیا ہے۔ کیونکہ جب
 ملک و کسی شے کی صورت پر مخلوق نہ ہو۔ اس شے کی خلافت کے لائق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خلیفہ شے اس شے کا نشان
 ہے۔ اور اس شے کے قائم مقام ہے۔ اور جب انسان رحمن کا خلیفہ ہوا۔ تو لازمی طور پر بادا امت کے اٹھانے کے لئے
 متعین ہوا۔ بادشاہوں کے انعامات کو اس کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔

آسمانی زمین اور پہاڑوں جامعیت کہاں سے لائیں۔ کہ اللہ کی صورت میں مخلوق ہوں۔ اور اس کی خلافت کے حقدار
 ٹھہریں۔ اور اس کی امانت کا بوجھ اٹھائیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ اگر بالعرض اس امانت کے بوجھ کو آسمان اور زمین
 اور پہاڑوں کے حوالہ کر دیتے۔ تو وہ پارہ پارہ ہوجاتے۔ اور ان کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہتا۔ اور وہ امانت اس خلیفہ کے
 خیال کے مطابق نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومت ہے۔ جو کہ انسان کے کامل افراد کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی

سُورۃ احزاب پارہ من یقتت۔ ۱۲۰

۱۱۸ اس حدیث کا مفہوم صبح دفتر اول کے مکتوب کے حاشیہ میں بیان کیا ہے اس کا مطالعہ فرمائیں۔ ۱۲۰

کامل انسان کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ بحکم خلافت اس کو تمام اشیاء کا قیوم بنادیتے ہیں۔ اور تمام مخلوق کو وجود اور بقا اور تمام کمالات ظاہری و باطنی کے فیوض اس کے واسطے سے پہنچاتے ہیں۔ اگر فرشتے ہیں تو اسی سے متصل ہیں۔ اگر انسان و جن ہیں۔ تو اسی کے ساتھ چٹے ہوئے ہیں۔ اور حقیقت میں تمام اشیاء کی توجہ اسی کی جانب ہے اور تمام اسی کو دیکھنے والے ہیں۔ اسی معنی کو سمجھیں دیا نہ فرمایا ہے۔

اِنَّكَ كَاَنَّ ظَلَمًا مَّا يَجْهَلُونَ - یعنی اپنے نفس پر بہت ظلم کرنے والا اس قدر کہ اپنے وجود اور وجود کے قوانین میں سے کوئی بھی اثر اور حکم نہیں رکھتا۔ اور جب تک اپنے اوپر اس قدر ظلم نہ کرے۔ امانت کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ جھوٹا بہت زیادہ جہالت والا اتنا کہ اسے اپنے مطلوب کا کوئی ادراک اور علم نہیں ہوتا۔ بلکہ ادراک سے عاجز اور مقصود کے علم سے جاہل ہوتا ہے۔ اور یہ عجز و جاہل اس کمال کے مقام میں معرفت ہے۔ کیونکہ یہاں جو سب سے لیا جہاں ہے۔ وہ سب سے بڑا عارف ہے۔ اور اس میں تو شک نہیں کہ جو سب سے بڑا عارف ہو۔ وہی امانت اٹھانے کا زیادہ حق دار ہے۔ یہ دونوں مقتضی گویا ہمارا امانت کے اٹھانے کا سبب ہیں۔

یہ عارف بوقیومیت اشیاء کے منصب پر مقرر ہوا ہے۔ یہ وزیر کا حکم رکھتا ہے۔ کہ مخلوقات کی مہمات اس کی طرف راجع ہیں۔ یہ مینج ہے۔ کہ انعامات بادشاہ کی طرف سے ہیں۔ لیکن ان کی وصولی وزیر کے توسط سے وابستہ ہے۔ اس وقت کے سردار ابوالبشر حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور یہ بلند منصب اصل میں تو انبیاء اور ابوالعزم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور ان بزرگواروں کی تبعیت اور صداقت میں جس کو چاہیں۔ اس دولت سے مشرف کریں۔ ۵

ہا کریمیاں کار ہادشاہ نیست

اور دارشان کتاب میں سے جو کہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں پہلی جماعت یہی اپنی جہان پر ظلم کرنے والی ہے جو کہ وزارت و قیومیت کے منصب سے مشرف ہوتی ہے۔

اور ان برگزیدہ لوگوں میں سے دوسری جماعت جس کو مقصد سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خلعت کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں۔ اور صاحب سر اور اہل مشورہ ہیں۔ اگرچہ بادشاہت کے کاہن بار اور معاملہ کا تعلق وزیر سے ہوتا ہے۔ لیکن خلیل ہم نشین ہے۔ اور صاحب اس والفت ہے۔ یہ اپنی خوشی کے لئے ہے۔ اور وہ وزیر اور دوسروں کی مہمات کے لئے۔ ان دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ اور اس بلند مقام کے سردار حضرت ابراہیم خلیل الرحمن علی نبینا وعلیہ

صلوٰۃ اللہ علیہ کے کمالات و تفویضات کے منکرین حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کردہ معنی قیومیت میں غور فرمائیں۔ ۵ سنی لوگوں پر بہت سے کام مشکل نہیں ہوتے۔

الصلوة والسلام ہیں۔ اور ان کے بعد جس کو بھی اس بلند مقام سے مشرف کر دیں۔

اور خلعت کے مقام سے بالاتر محبت کا مقام ہے۔ کہ وہ تیسری جماعت سابق بالخیرات ہیں جو اس مقام عالی پر مشرف ہوئے ہیں۔ مددگار اور ہم نشین اور ہے۔ اور دوست اور محبوب اور وہ اسرار و معاملات جو کہ محبوب اور محبوب کے درمیان گزرتے ہیں۔ یار و ندیم کو اس جگہ کیا دخل ہے۔ ہر چند انس و الفت کے کمال کے وقت محبت کے مخفی اسرار کو خلیل جلیل اللہ سے بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کو محبوب اور محبوب نہیں بتایا جاسکتا۔ محبوب کے حلقہ کے سرور حضرت کاظم علیہ السلام نے بیان کیا جاسکتا ہے۔ اور محبوبوں کی جماعت کے سرور حضرت خاتم الرسل علیہ السلام نے بیان کیا جاسکتا ہے۔ اور ان صاحب دولتوں کی تبعیت و وراثت میں جس کو بھی ان دو مقامات سے مشرف کریں۔

اور وہ مقامات جو مقام محبت سے اوپر ہیں۔ ان کو بھی اس فقیر نے اپنے مکتوبات میں سے ایک مکتوب میں لکھا ہے۔ اور اس جگہ بھی صدر نشین حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم آکر الصلوٰۃ والسلام ہیں یہ سب مقام سابقین میں داخل ہیں جو کہ دارشان کتاب میں سے تیسرے فرقہ کا حصہ ہے۔ اسے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔ اور ہمارے معاملہ میں جلالی ہمایا کر۔ والسلام علی من اتبع الهدی

مکتوب نمبر ۵۷

مرزا مظفر خاں کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ مصیبتیں اور سختیاں دو سطحوں کے لئے کفارہ ہیں۔ اور تضرع اور عاجزی سے معافی اور

عافیت طلب کرنا چاہیئے۔ اور اسکے مناسبات

اللہ تعالیٰ آپ کو ان چیزوں سے محفوظ رکھے۔ جو قہاری جناب کے لائق نہیں ہیں۔ دینی مصیبتوں اور سختیوں کا درود و دستوں کے لئے ان کی لغزش و کافرا ہے۔ تضرع و زاری و التجا و انکساری سے جناب قدس سے معافی اور عافیت طلب کرنا چاہیئے۔ اور اسوقت تک طلب کرنا چاہیئے جب تک کہ قبولیت کا اثر ظاہر ہو۔ اور نقشہ بیٹھ جائیں۔

اگرچہ دوست اور خیر خواہ بھی اسی کام میں ہیں۔ لیکن اس کام کا سب سے زیادہ حقدار صاحب معاملہ ہے۔ دوا کھانا اور پیریز کرنا بیمار کا کام ہے۔ اور دوسرے کو بیماری کے ازالہ میں صرف اس کے مددگار ہیں۔ اصل معاملہ ہے۔ کہ جو کچھ بھی محبوب حقیقی سے پہنچے۔ اسے خندہ پیشانی اور قرآن سینہ سے اس کے احسن کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے۔ بلکہ

اس سے لذت حاصل کرنی چاہیئے۔ وہ رسوائی اور بدنامی جو محبوب کی مراد ہو۔ محب کے نزدیک ناموس و نام و رنگ سے بہتر ہے۔ کیونکہ وہ اس کے اپنے نفس کی مراد ہے۔ اگر یہ کیفیت محب میں پیدا نہ ہو تو وہ محبت میں ناقص ہے بلکہ مجبوثا ہے۔ ۵

گر طبع خواہد زمن سلطان دین خاک بر فرق قناعت بعد ازین

جناب شریعت مآب جب ملازمت سے واپس آئے۔ اور اس سفر کے حالات اور مسافروں کے احوال کی تسکلی بیان فرمائی۔ تو ان کی عافیت اور سلامتی کے لئے دعا مانگی گئی۔ اے ہمارے رب اگر ہم بیول جانیں یا غلطی کر جائیں۔ تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ اور ہم پر پھٹے لوگوں کی طرح بوجہ نہ ڈال۔ اے ہمارے رب ہم سے وہ بوجھ نہ ٹھو جس کی ہمیں طاقت نہ ہو۔ اور ہم کو مفلحت کر دے۔ اور ہمیں بخش دے۔ اور ہم پر رحم کر تو یہی ہمارا مالک ہے۔ سو ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما۔ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین۔ والحمد للہ رب العالمین والسلام

مکتوب نمبر ۷۶

مولانا فرخ حسین کی طرف صادر فرمایا

عرش کی حقیقت کے بیان میں کہ وہ عالم خلق اور عالم انفر کے درمیان برزخ ہے۔ اور دونوں سے بہت رکھتا ہے۔ اور زمین و آسمان کی جنس سے نہیں ہے۔ اور کرسی اور اس کی وسعت کے بیان میں۔
الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

عرش مجید خداوند تعالیٰ کی عجائب مصنوعات میں سے ہے۔ وہ عالم کبیر میں عالم خلق اور عالم امر کے درمیان بنتا ہے۔ اور اس سے بھی مناسبت رکھتا ہے۔ اور اس سے بھی اور عالم خلق چھوڑ کر پیدا ہوا ہے۔ زمین اور پہاڑ اور آسمان وغیرہ جن کا ذکر آیت کریمہ **وَحَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَئِیْنٍ** الہامیہ میں واقع ہوا ہے۔ عرش کی ایجاد ان سب سے پہلے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتِّ اَیَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلٰی الْمَلٰٓئِکَہِ**

۱۲ اگر دین کا بادشاہ مجھ سے طبع چاہے۔ تو اس کے بعد قناعت کے سر پر خاک۔ ۱۲

۱۳ سورہ حم سجدہ پارہ نمبر ۱۲۔ ۱۳

۱۴ سورہ ہود پارہ ۱۲۔ ۱۳۔

اور اللہ وہ ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو کچھ دنوں میں پیدا کیا۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا، بلکہ پانی کی پیدائش بھی اس آیت سے ان چیزوں سے پہلے معلوم ہوتی ہے۔ پس عرش بنیاد جس طرح کہ زمین کی جنس سے بھی نہیں ہے۔ آسمانوں کی جنس سے بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عالم امر سے بھی بہت سادہ رکھتا ہے۔ اور یہ چیزیں اس سے کوئی حصہ نہیں رکھتیں۔

خلاصہ کلام چونکہ عرش کو آسمانوں سے زمین کی نسبت بہت زیادہ مناسبت ہے۔ تو لازمی طور پر اسے آسمانوں میں شہ کیا گیا۔ اور حقیقی حقیقت وہ جیسے زمین سے نہیں ہے۔ آسمانوں سے بھی نہیں ہے۔ تو لازمی طور پر زمین و آسمان کے احکام و آثار علیہما ہوں گے۔ باقی رہا کہ کسی کا معاملہ تو وہ آیت کریمہ ذیل **كُلُّ شَيْءٍ السَّكَوَاتِ ذَا لَرَضٍ** سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کرسی بھی آسمانوں سے الگ ہے۔ اعلان سب سے زیادہ وسیع ہے۔ اور شک نہیں ہے۔ کہ کرسی عالم امر سے نہیں ہے کیونکہ کرسی کو عرش سے نیچے کہتے ہیں۔ اور عالم امر کا معاملہ عرش سے اوپر ہے۔ اور چونکہ کرسی عالم خلق سے ہے۔ اور اسکی پیدائش آسمانوں سے جدا ہے۔ تو چاہیے کہ اس کی پیدائش ان چھ دنوں کے علاوہ ہو۔ اور اس معنی میں کوئی استعمال لگایا نہیں لگا۔ کیونکہ تمام عالم خلق کو ان چھ دنوں میں ہی پیدا جمیع کیا ہے۔ کہ پانی کی پیدائش جو کہ عالم خلق سے ہے۔ ان چھ دنوں کے علاوہ ہے۔ اور ان چھ دنوں سے پہلے ہے۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔ اور چونکہ کرسی کا معاملہ ہم پر اچھی طرح نہیں کھلا ہے لہذا اس کی تحقیق کو دوسرے کسی وقت پر ڈالتے ہیں۔ اور اللہ کی فائز سے ہم اس کی امید رکھتے ہیں۔ اے میرے رب مجھے علم زیادہ عطا فرما۔

اس تحقیق سے دو قوی اعتراض خود بخود رفع ہو گئے۔ ایک تو یہ کہ جب زمین اور آسمان نہیں تھے۔ تو چھ دن کی تعیین و تعیین کس طرح ہو گئی۔ اور آثار کا دن سوموار سے کیونکہ جدا ہوا۔ اور منگل بدھ سے کس طرح الگ ہوا۔ اور جمعرات کا دن کیسے ممتاز ہوا۔؟

جب عرش کی پیدائش زمین و آسمانوں کی پیدائش سے پہلے معلوم ہو چکی۔ تو زمانہ کا حصول متصور ہو گیا۔ اولیاً کا ثبوت واضح طور پر مہیا ہو گیا۔ اور اعتراض ختم ہوا۔ یہ کب ضروری ہے۔ کہ مخصوص ایام کا امتیاز آفتاب کے طلوع و غروب سے ہو کیونکہ ہفت میں طلوع و غروب نہیں ہے۔ اور دونوں کا امتیاز ثابت ہے۔ جیسا کہ احادیث میں موجود ہے۔ دوسرا اعتراض جو رفع ہوا ہے۔ اور اس فقر کے علوم سے مخصوص ہے۔ یہ ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے آسمان اور میری زمین مجھے نہیں سماسکتیں۔ لیکن مجھے سمانتا ہے۔ میرے مومن بندے کا دل اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ظہور علم مومن بندے کے دل سے مخصوص ہے۔ اور اس کے علاوہ اور

کسی کو یہ دولت میسر نہیں ہے۔ اور تم نے اپنے مکتوبات میں اس کے برخلاف لکھا ہے۔ کہ ظہور اتم عرش مجید کے لئے ہے۔ اور ظہور قلبی ایک چمک ہے۔ ظہور عرش ہے۔

اور اس سابق تحقیق سے معلوم ہے۔ کہ عرش مجید کے آثار و احکام سے غلیحہ ہیں۔ زمین اور آسمانوں میں گنجائش نہیں ہے۔ اور عرش میں ہے۔ ان زمین اور آسمان اور ان کے اندر کی موجودات اس وسعت کی قابلیت نہیں رکھتے۔ سوائے مومن بندے کے دل کے کہ وہ اس دولت کے لئے مستعد ہے۔ پس وسعت قلبی کا حصر زمین اور آسمانوں کی نسبت سے ہے۔ نہ کہ تمام مخلوقات کی نسبت سے جو کہ عرش مجید کو بھی شامل ہو۔ تاکہ حدیث قدسی کے مفہوم کے خلاف تصور ہو یہی دوسرا اعتراض بھی برفع ہوا

جاننا چاہیے۔ کہ عرش مجید جو کہ ظہور تام کا محل ہے۔ جب آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ ان سب کو عرش کے مقابل لاتے ہیں۔ تو بلاشبہ وہ ناچیز اور ناپود ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔ مگر انسان کا دل جو کہ خدا تعالیٰ کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ باقی رہتا ہے۔ اور مصنف لاشے نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح وہ ظہور جو کہ عرش سے اوپر کی جانب سے تعلق رکھتا ہے۔ جو کہ صرف عالم امر سے ہے۔ عرش کا اس مرتبہ کی نسبت وہی حکم ہے۔ جو کہ زمین اور آسمانوں کو عرش سے نسبت ہے۔ اور اسی طرح ہر بلند کو اپنے پست سے یہی نسبت ہے۔ یہاں تک کہ عالم امر ختم ہو جائے۔ اس دائرہ کے ختم ہونے کے بعد معاملہ حیرت اور حیل کا ہے۔ اگر کچھ معرفت ہے تو وہ بھی جہول و یقینیت ہے جو کہ حادث عقل و فہم کے لائق نہیں ہے۔ اب ہم انسانی کمالات اور انسان کے دل کے متعلق کچھ بیان کرتے ہیں

عیش سے بھلہ بر گفتی ہنرش نیز گو

عرش مجید اگرچہ فراخ تر اور مظهر اتم ہے۔ لیکن وہ اس دولت کے حصول کا علم نہیں رکھتا۔ اور اس کو اپنے کمالات کا ظہور حاصل نہیں ہے۔ برخلاف قلب انسانی کے کہ وہ صاحب شعور ہے۔ اور اپنی معرفت اور علم سے معمور ہے۔ اور دل کو دوسری فضیلت وہ ہے۔ جو ہم بیان کرتے ہیں۔ ابھی طرح سنو۔

مجموعہ انسان جسے عالم صغیر کہتے ہیں۔ ہر چند کہ عالم خلق اور عالم امر سے مرکب ہے۔ لیکن اس کو اجتماعی حقیقی صورت حاصل ہے۔ کہ اس حیثیت پر احکام و آثار مرتب ہوتے ہیں۔ اور عالم کبیر کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اگر ہے تو صرف اعتباری ہے۔ پس وہ فیوض جو اس حیثیت و وحدانی کی راہ سے انسان تک اور اس کے ذریعہ قلب انسانی تک پہنچتے ہیں۔ عالم کبیر اور عرش مجید جو کہ اس عالم کبیر میں دل کی طرح ہے۔ ان کو ان فیوض و برکات سے کچھ حصہ نہیں ہے۔

سہ تو نے شراب کے تمام عیب بیان کئے ہیں۔ اس کا ہنر بھی میدان کر: ۱۲۰

اور ایک یہ فضیلت بھی ہے۔ کہ جزوارضی جو کہ حقیقت میں مخلوقات کا خلاصہ ہے۔ دوسری کے باوجود اقرب اللہ ہے۔ اس کے کمالات نے جمہور عالم مغیر میں سرایت کی ہے۔ اور عالم کبیر میں چونکہ وہ مجموعہ ہیں ہے۔ یہ سرایت اس جگہ مفقود ہے۔ پس عرش جمید کے برخلاف انسان کا دل یہ کمالات بھی رکھتا ہے۔

جانتا چاہیے کہ یہ فضائل و کمالات جو کہ قلب میں ثابت کئے گئے ہیں۔ اگر ان کو اچھی طرح دیکھا جائے تو یہ جزوی فضیلت میں داخل ہیں۔ کلی فضیلت ظہور عرشی ہی کو حاصل ہے۔ عرش اور قلب کی مثال اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ گویا ایک وسیع آتش ہے جس نے دشت صحرا کو منور کر رکھا ہے۔ اور اس آگ سے ایک مشعل روشن کی ہے جس نے بعض امور کے الحاق سے ایک الگ نورانیت پیدا کر لی ہے جو اس آگ میں نہیں ہے۔ اور شک نہیں ہے کہ یہ زیادتی سوائے جزوی فضیلت کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی تمام امور کے حقائق کو ابھی طرح جانتا ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر۔ اور ہمیں بخش یقیناً تو ہم چیز پر قادر ہے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و آلہ وصحبہ اجمعین وسلم و بارک و علی جمیع الانبیاء والمرسلین و الملائکۃ المقربین اجمعین۔

مکتوب نمبر ۷۷

مولانا حسن برکی کی طرف صادر فرمایا۔

ان کے خط کے جواب میں جس میں انہوں نے صوفیہ کے کلام پر کچھ اعتراضات کئے تھے۔ اور مکتوب کے آخر میں لکھا تھا کہ احکام شرعیہ میں سے ہر حکم گویا کہ ایک دیر بچ ہے جو مقصود کے شہر کو پہنچانے والا ہے۔ اور کچھ اور بھی استفسار کیے تھے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

بخانی شریع حسن کا گرامی نام پہنچا۔ اللہ ان کے حل کو اچھا کرے۔ چونکہ اس میں تشریح اور استقامت کی خوشبو ملتی طبیعت خوش ہوتی

آپ نے لکھا ہے کہ وہ سلوک جو مشہور ہے۔ اور جس کا سالک اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور جو ہمارے مفہوم میں ہے۔ وہ یہ ہے کہ مبتدی کو اس وقت تک ذکر کرنا چاہیے۔ جب تک کہ دل ذکر کرنے لگے۔ اور پھر اس وقت ذکر کرے جب کہ دل ذکر کرنے سے رک جائے۔ یہاں تک کہ الہامات و تجلیات کا مصل ہو جائے۔ اور سالک فنا کے مقام میں پہنچ جائے۔ جو کہ ولایت کا پہلا قدم ہے۔ اور صوفیاء نے کہا ہے کہ فنا وہ ہے کہ سالک کی دید و دانش ہر اس چیز

سے جو غیر کے نام کے ساتھ موسوم ہے۔ اپنا رخت سفر باندھ لے۔ اور سالک کی دید و دانش میں سوائے خداوند تعالیٰ کے اور کوئی چیز باقی نہ رہے۔ اس کو شہود اور مشاہدہ بھی کہتے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ وہ اپنے خیال میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ اور مستثنیٰ بالغیر کو نہیں دیکھتا۔ اور دُور دیکھنے والے کو طریقت کا مشرک کہتے ہیں۔

اور آپ نے لکھا ہے کہ فقیر کو یہ معارف اور اس جیسے اور معدف بد عن کر رہے ہیں۔ کیونکہ اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ حق جل سلطانہ دنیا میں ظاہری آنکھ یا بصیرت سے دیکھا جائے۔ اگر وہ اس شہود سے علم کی رویت مراد لیتے ہیں تو یہ بھی طریقت کے مشرک ہیں۔ اور اگر اس معنی سے شعور مراد نہیں رکھتے۔ تو یہ کس کی خبر دیتے ہیں۔ اور کون خبر دیتا ہے۔

اور لکھا ہے کہ جو کچھ وہ دیکھتے ہیں۔ ہر لحاظ سے خواہ وہ تجلی صوری ہو۔ خواہ معنوی اور خواہ نوری ہو۔ یا اس کے علاوہ اور اس نظر آنے والی چیز کو خداوند تعالیٰ کی ذات سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی باتوں سے بلند و بالا ہے۔ کہ جو کچھ مستثنیٰ بالغیر ہے۔ اس کا تصور جانتے ہیں۔ اس فقیر کے نزدیک تو یہ سب کچھ بے حاصل اور بے فائدہ ہے۔ اور نقص کریمہ کے خلاف ہے۔ یَقِیْنُ کَيْدَ شَيْطَانٍ شَقِیْمٍ اور اس آیت کے بھی خلاف ہے۔ لَئِنْ دَرَكْتُكَ لَآتِيَنَّکَ مِنْ بَيْنِ يَدَیْهِ لَیْسَ بِکَ فِرَاقٍ اور اس کو نہیں دیکھتے۔ اور یہ لوگ کیا دیکھتے ہیں۔ اور کیا جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں دیکھتے۔ اور یہ جانتے۔ اور اس کو شہود اور مشاہدہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ تمام افکار جو وہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی تمجید میں رکھتے ہیں۔ یہ حقیر ہے۔ یا نہیں؟

جان لیں اور آگاہ ہو جائیں۔ کہ یہ تمام طویل گفتگو اور نامناسب اعتراضات جو کہ تم نے مشائخ طریقت قدس اللہ اسرارہم پر کئے ہیں۔ ان کا سبب ان بزرگواروں کے مطلب کو نہ سمجھنا ہے۔ توجید شہودی جو کہ ایک کو دیکھنا ہے اور ماسوی کے نیان سے وابستہ ہے۔ ان بزرگواروں کی طریقت کے فروزیات سے ہے۔ جب تک یہ نہ ہو۔ اغیار کی گرفتاری سے خلاصی نہیں ملتی۔ اور تم اس دولت اور اس کے مالکوں کو ٹھٹھا اور مذاق کر رہے ہو۔ وہ شہود و رویت جو کہ ان اکابر مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی عبادتوں میں واقع ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے چہ چون حضور سے عباد ہے۔ جو کہ مرتبہ تنزیہ کے مناسب ہے۔ اور ادراک کے حیطہ سے جو کہ تجربہ کے عالم سے ہے۔ باہر ہے۔ اور اس جذبہ کی دولت کو دنیا میں باطن سے مخصوص رکھا ہے۔ ظاہر میں دُور دیکھنے سے چارہ نہیں ہے۔ اسی طرح کہا ہے کہ جس طرح عالم کبیر میں مشرک اور موجد ہے۔ اسی طرح عالم صغیر میں بھی مشرک و موجد جمع ہے۔ کامل کا باطن ہر وقت موجد ہے اور اس کا ظاہر مشرک ہے۔ پس باطن کامل خدا تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس کا ظاہر اہل و عیال کی تدبیر میں اور اس میں کوئی استعمال لازم نہیں آتا۔ اعراض بے کجی کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ ہرگز اس قسم کی باتیں نہ کریں۔ اور خداوند تعالیٰ کی غیرت سے ڈریں۔

اس وقت کے ظاہری دعویٰ داروں نے آپ کو پریشان کر دیا ہے۔ بزرگوں کا ملاحظہ ضروری ہے۔ اگر آپ جھوٹے مدعیوں کے معدنات و اختراعات کے متعلق کہتے ہیں۔ تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن وہ جو صوفیاء کی قوم میں مقرر ہے۔ سادہ راہ میں لازمی ہے۔ اس کے متعلق بات کہنا مناسب نہیں ہے۔ آپ نے اس فقیر کے مکتوبات اور رسائل میں دیکھا ہو گا۔ کہ تو حید شہودی کے متعلق کتنا لکھا جا چکا ہے۔ اور ان کو ضروریات راہ سے قرار دیا ہے۔ تمہیں چاہئے قویہ تھا۔ اس معنی کے متعلق استفسار کرتے۔ اور حُسن ادب سے سوال کرتے۔ یہ وہ پھول ہے۔ جو مولانا احمد رحمہ کی مفادقت کے بعد کھلا ہے۔ مولانا کی زندگی میں اس قسم کی باتیں آپ سے کبھی ظاہر نہ ہوتی تھیں۔ اچھا ہو کہ تم نے لکھا اور تنبیہ پائی۔ سادہ راہ آئندہ بھی جو کچھ ظاہر ہو۔ لکھو۔ اور صریح و غلط کا لحاظ نہ کرو۔ اگر صریح ہو تو خوشی کا باعث ہے۔ اور اگر غلط ہو تو تنبیہ کا سبب ہے۔ بہر حال لکھنے سے سستی نہ کریں۔

ایک سال کے بعد آپ کا خط قافلہ کے ہمراہ آتا ہے۔ اور سال میں ایک بار ضروری نصائح بہت ضروری ہیں۔ جب تک ان کے متعلق نہ لکھو گے۔ اور کچھ نہ لکھو گے۔ تو گفتگو کی راہ نہ کھلے گی۔ آپ نے پوچھا ہے کہ قلب ظاہری دنیا میں سے ہے۔ یا باطنی اشیاء میں سے عارف کے ظاہر و باطن کو تو ایک کتبوت میں تفصیل سے لکھا ہے۔ ملا عبدالحی سے کہوں گا۔ کہ اس کی نقل آپ کو بھیج دیں۔ اس جگہ ملاحظہ فرمائیں۔ اور یہ بھی پوچھا تھا۔ کہ وہ طریقہ جو کشف اور تجلی کے بغیر ہے۔ اس میں متوسط اور منتہی کی شناخت کا کوئی طریقہ ہے۔ جانتا چاہیئے کہ اگر یہ مسلک جو اپنے احوال کا علم نہیں رکھتا۔ شیخ کاٹل مکمل کی خدمت میں ہے۔ جو راہ دان اور راہ بین ہے۔ تو اس کے حال کے متعلق اس شیخ کا علم کافی ہے۔ اور وہ اس کے بتانے سے اپنے توسط اور انتہا کو معلوم کرے گا۔

اور اگر شیخ نے اس کو ایک طرح کی ارشاد خلق کی اجازت دے رکھی ہے۔ تو اس کے میدوں کے حالات اس کے کمالات کا آئینہ ہوں گے۔ اور اس جگہ سے اپنے نقص و کمال کو جان لے گا۔ اور معرفت کی انتہا کو جاننے کا ایک طریقہ وہ ہے کہ سالک کا اثر سبحانہ و تعالیٰ کے بغیر کوئی مقصود نہ رہے۔ اور اس کا سینہ تمام ماسوا مقصودات سے صاف اور خالی ہو جائے۔ انتہا کے بہت سے مراتب ہیں۔ جن میں سے بعض بعض سے بلند تر ہیں۔ اور نہایت میں پہلا قدم ہی ہے جو ذکر ہوا۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

آپ نے لکھا تھا۔ کہ وہ علوم جو اس بے بضاعت کو تسلی دیتے ہیں۔ وہ علوم شرعیہ ہیں۔ گویا کہ شریعت کے احکام میں ہر حکم ایک درجہ ہے۔ جو شہر مقصود کو پہنچانے والا ہے۔ سادہ راہ اس شاہیے نشان کا ایک نشان ہے۔ اور یہی بیت نصب العین ہے۔

بائشعر میر و دم عزم قماش کمر است مابر اور سے رویم کز ہمہ عالم در است

مے ہم سفر ہاتھ ہیں۔ کس کا دیکھنے کا ارادہ ہے۔ ہمیں کے سامنے جا رہے ہیں۔ جو تمام جہان سے پرے ہے

آپ کی یہ معرفت بہت اصلی ہے۔ اور بہت بلند ہے۔ اور مل جانے کی توقع ہے۔ اس معرفت کے مطالعہ نے بہت محفوظ کیا۔ اور خط کی ابتدائی نامناسبیت کو اس نے رائل کر دیا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسی راہ سے مقصود پر پہنچائے۔ اور آپ نے پوچھا تھا کہ بعض مرد اور بعض عورتیں آتی ہیں۔ اور طریقہ کی درخواست کرتی ہیں۔ اور وہ سو کے کھانے پینے اور لباس سے پرہیز نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں کہ ہم شرعی حیلہ سے اس کو جائز کر لیتے ہیں۔ ان کو طریقہ تعلیم کرنے کی اجازت ہے۔ یا نہیں؟

تم ان کو طریقہ کی تعلیم کرو۔ اور عمرات سے پرہیز کرنے کی ترغیب دو۔ شاملہ اس طریقہ کی برکت سے وہ اس اشتباہ سے باہر آجائیں۔ اور آپ نے ان دو سفید جھنڈوں کے متعلق جو کہ مشرق کی جانب ایک دوسرے کے پیچھے ظاہر ہوئے ہیں۔ سوال کیا ہے۔ فقیر نے دوسرے دستوں سے استفسار کے بعد اس کے متعلق ایک مکتوب ملا عبدالحی کو لکھا ہے۔ انہیں اللہ کا کہا جائے گا۔ کہ اس کی نقل بھی آپ کو بھیج دیں۔

اور آپ نے یہ بھی پوچھا تھا۔ کہ کلام اللہ کا ختم کن اور نقل مندرجہ معنا اور تسبیح و تہلیل کرنا اور اس کا ثواب والدین کو یا استاد کو یا بھائیوں کو بخش دینا بہتر ہے۔ یا کسی کو نہ بخشنا بہتر ہے۔ جہاں لینا چاہیے کہ ثواب بخش دینا بہتر ہے۔ کہ انہیں دوسروں کا بھی نفع ہے۔ اور اپنا بھی فائدہ ہے۔ اور زکات میں مرث اپنا ہی فائدہ ہے۔ اور یہ سب ہے۔ کہ شاملہ دوسرے کی تہلیل یا کے عمل کو تو ان کریں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۷

دار اب خاں کی طرف صادر فرمایا۔

(اس طالعہ علیہ کی محبت و اخلاص کے بیان ہیں کہ یہ مبتدعہ و اخلاص فتاویٰ اللہ اور بالہ کا زینہ

ہے۔ اور اس کے تعلقات

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ

وہ خوشگوار دولت جو آپ کے خاندان میں باوجود دو قہندی اور باوجود حصول مواد استغناء کے محسوس ہوتی ہے یہ ہے کہ خزانہ سے نیازمندی اور اس طبقہ علیہ کی خدمت گزار ہی ہے۔ جو اس طبقہ سے محبت و اخلاص کی علامت ہے۔ اس فرقہ ناجیہ سے دوستی اور اختصاص کی نشانی ہے۔ اس جماعت سے محبت رکھنے والوں کے لئے لکھو مَعَ مَنْ أَحَبَّ - (اُمّی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کی محبت ہوگی۔) کی خوشخبری کافی ہے۔ اور اس طبقہ کے ہم نشینوں کے لئے ہُمْ قَوْمٌ رَکِیْثٌ جَلِیْئٌ رُحْمٌ (وہ ایسی قوم ہیں۔ جن کے ہم نشین بد بخت نہیں ہوتے)

کی بشارت پوری ہے۔

اور جب خدا تعالیٰ کی مہربانی سے یہ محبت غلبہ پیداکرتی ہے۔ اور اس طرح غالب آجاتی ہے۔ کہ اس محبت کے علاوہ اور کوئی چیز دل میں نہیں رہتی۔ اور دوسروں کی گرفتاری پوری طرح دل سے چل جاتی ہے۔ اور محبت کے لوازمات جو کہ محبوب کی اطاعت اور محبوب کی مراد پر قائم رہنا اور اس کے اخلاق و اوصاف سے متعلق ہونا ہے ظاہر ہوتا ہے۔ اس وقت محبوب میں فنا حاصل ہو جاتی ہے۔ کہ پھر اس پر بقا بائند مترتب ہوتی ہے۔ جو کہ ولایت کا حاصل ہے۔ مختصر یہ کہ اگر ابتدا ہی میں بغیر کسی کے واسطہ محبوب حقیقی کی محبت و جذبہ حاصل ہو جائے۔ تو یہ ایک بہت بڑی دولت ہے۔ جو فنا و بقا کا حاصل ہے۔ ورنہ کامل مکمل واسطہ سے چارہ جہیں۔ پہلے اپنی مرادات کو اس کی مراد میں ختم کر دینا چاہیئے۔ اور اس میں فانی ہو جانا چاہیئے تاکہ وہ فنا۔ فنا فی اللہ کا وسیلہ ہو جائے۔ اور ماسویٰ کی گرفتاری سے پوری طرح آزاد کرے۔ اور ولایت کے درجات تک پہنچا دے۔

بر شکر غلطید اے سودا شیاں از برائے کورنے سودا شیاں

اس طرح کی باتیں طالبوں اور شائقوں کو بلانے اور شوق دلانے کے لئے کہی جاتی ہیں۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

باقی مقصد یہ ہے کہ فقیروں کا خطے جانے والے محمد قاسم ایک بزرگ زاہد ہیں۔ اور فقیروں کی خدمت میں رہے ہیں۔ لیکن اپنے بڑی بھائی کی آغوش تربیت میں ناز و نعمت میں پل کر بڑے ہوئے ہیں۔ اور زمانے کی گفتیں کم دیکھی ہیں۔ آپ کی ملازمت کا شوق رکھتے ہیں۔ اگر ان کو اپنی سرکار کے ملازمین میں داخل کر لیں۔ اور ان کی حالت پر توجہ رکھیں۔ تو یہ آپ کے کرم سے بعید نہ ہوگا۔ زیادہ کیا تکلیف دوں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۷۹

یوسف برکی کی طرف صادر فرمایا۔

ان کے خط کے جواب میں جو کہ کفر سے منہ پھیرنے اور اسلام کی طرف توجہ کرنے پر مشتمل تھا۔ اور اس

کے مناسبات میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

آپ نے جو خط لکھ کر مولانا عبدالحی کے حوالہ کیا تھا۔ کہ وہ مجھے پہنچائیں۔ اس مدت میں انہوں نے نہ پہنچایا۔ پھر

جس دن بابو جانے لگے۔ تو وہ اس خط کو لے آئے۔ جب اس کا مطالعہ کیا گیا۔ تو خوشی کا باعث ہوا۔ کہ وہ کفر سے روگرداں اور اسلام کی طرف توجہ کرنے پر مشتمل تھا۔ جس طرح اسلام مجازی کفر مجازی سے بہتر ہے۔ اسلام طریقت بھی کفر طریقت سے بہتر ہے۔ طریقت کے کفر میں سب مستی ہی مستی ہے۔ اور اسلام طریقت میں سب صحو (ہوش) ہے۔ پھر جس طرح مجازی صحو مجازی سکرو (مستی) سے بہتر ہے۔ صحو طریقت بھی کفر طریقت سے بہتر ہے۔

طریقت کے کفر کا نتیجہ تشبیہ ہے۔ اور طریقت کے اسلام کا نتیجہ تنزیہ ہے۔ جتنا فرق تشبیہ اور تنزیہ میں ہے۔ اتنا ہی فرق طریقت کے اسلام اور کفر میں ہے۔ جن لوگوں نے تشبیہ اور تنزیہ کو اکٹھا کرنا چاہا ہے۔ اور اس کو کمال خیال کیا ہے۔ وہ تنزیہ کو تشبیہ کا ایک حصہ ہے۔ جو کہ ان کی نظر میں تنزیہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ تشبیہ کی کیا مجال ہے۔ جو تنزیہ حقیقی کے ساتھ جمع ہو سکے۔ اور اس کے نور کے غلبہ میں مضمحل اور نابود نہ ہو جائے۔

بے خبر جا شود مہر آشکلا سہما حنہ نہاں بودن چہ یارا

اللہ سبحانہ و تعالیٰ حقیقی اسلام کی حقیقت سے بحرمت النبی و آلہ الامجاد علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلامات والتسلیمات مشرف فرمائے۔ مولانا بابو چونکہ جارہے تھے۔ لہذا چند کلمات پر اختصار کرنا پڑا۔ والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔

مکتوب نمبر ۸

شیخ احمد تہاری کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ انہوں نے سوال کیا تھا۔ کہ تمہیدات میں عین القفسہ لکھتے ہیں۔ کہ جس کو تم خدا مانتے ہو۔ ہمارے نزدیک وہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور جس کو تم محمد مانتے ہو۔ وہ ہمارے نزدیک اللہ جلّ سلاطین ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

گرامی نامہ جو آپ نے کمال محبت و اخلاص اور جوش و خروش و اخلاص سے لکھ کر ارسال کیا تھا۔ پہنچا بہت خوشی ہوئی۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اس دولت پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔ کہ ہر جماعت کا محبت رکھنے والا اسی

سلاہ میں جہاں چاند طلوع کر آئے۔ وہاں سہا سہا سے کے سئے روپوش ہونے سے چارہ نہیں۔

جماعت کے ساتھ ہوگا۔ اَلْمَرْءُ مَعَ حَبِّ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔

آپ نے تہذبات عین انقضاء کی عبارت کے معنی کے متعلق پوچھا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جس کو تم خدا جانتے ہو۔ ہمارے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور نہیں تم محمد جانتے ہو۔ علیہ وعلیٰ الصلوٰۃ والسلام وہ ہمارے نزدیک خدا جل سلطانہ ہے۔

میرے مخدوم اس جیسی عبارتیں جو توحید اور اتحاد کی خبر دیتی ہیں۔ یہ غلبہ سکریں جو کرمج کا مرتبہ ہے۔ اور جسے کفر طریقت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم سے صادر ہوتی ہیں۔ اور جدائی اور دوئی ان کی نظر سے اللہ جاتی ہے۔ اور ممکن کو عین واجب پاتے ہیں۔ بلکہ ممکن کو دو پاتے ہی نہیں۔ اور سوائے واجب تعالیٰ کے ان کے مشہود میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔

اس تقدیر پر اس عبارت کا معنی اس طرح ہوگا۔ کہ مہلانی اور دوئی جو تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حاصل ہے۔ ہمارے نزدیک وہ امتیاز ثابت نہیں ہے۔ اور نہ مغایرت حاصل ہے۔ بلکہ وہ ایک ہی ہے۔ جو وحدت سے پاک ہے۔ اور دوسرے کا عین بھی ہے۔ جب کہ تمام ممکنات سے مغیرت کی نسبت غنم ہو جاتی ہے۔ اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کے مظہر اتم ہیں۔ تو ان سے امتیاز کی نسبت کیسے ثابت ہوگی۔ اور یہ دیکھنا مرتبہ جمیع سے مخصوص ہے۔

اور جب سالک اس مقام سے بلند ہو جاتا ہے۔ اور انفرادی سکریں اکملیں کھو جاتی ہیں۔ تو محمد کو بندہ پاتا ہے اور اسے خدا تعالیٰ کا رسول سمجھتا ہے۔ جیسا کہ ابتدا میں جانتا تھا۔ نہایت بدایت کی طرف وجود کا نام ہے۔ یہ مقولہ آپ نے سنا ہوگا جہاں میں کہ بتدی وفتہی کا اشتراک صرف صورت میں ہے۔ جو کہ فتہی کے پوشیدہ ہونے کا باعث ہے۔ در نہ۔ ح

لہ
چہ نسبت خاک را با عالم پاک

جب کہ وہ متوسط کو بھی فتہی سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ تو بتدی کو جو معاملہ سے دور ہے۔ اسکے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر۔ اور ہمیں بخش دے۔ یقیناً تو ہم چیز پر قادر ہے۔ والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم

مکتوب نمبر ۸۱

محمد امین دکنی کی طرف صادر فرمایا۔

پند و نصائح اور کمینی دنیا کی خوشنما چیزوں سے پرہیز کرنے اور اس کے مناسبات کے بیان میں۔
 اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الْکَرِیْمِ اَصْلَیْہِ

میں ڈرتا ہوں۔ کہ نیک انجام دوست کمینی دنیا کی آکاش میں جو کہ بظاہر تازگی اور شیرینی رکھتی ہیں۔ بچوں کی طرح
 فریفتہ نہ ہو جائیں۔ اور دشمن لعین کی راہنمائی مہل سے شتبہ ہیں اور مشتبہ سے حرام میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اور اپنے مولا
 جل سلطان سے شرمندہ اور نادم ہوتا پرستے۔ تو بہ و رجوع الی اللہ میں قدم مقبوط رکھنا چاہیے۔ اور شریعت کے لواہی
 کو زہر قاتل سمجھنا چاہیے۔

بہر انداز زمین بہ نواہی است کہ تو طفلی اوخانہ رنگین است

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے بندوں پر اپنی مہربانی سے مباحات کا دائرہ بڑا وسیع کیا ہے۔ وہ بڑا ہی کوئی بد نصیب
 ہو گا۔ جو کہ سیدنی تنگی کی وجہ سے اس دائرہ کو تنگ سمجھے۔ اور وسیع دائرہ سے باہر قدم نہ رکھے۔ اور حدود و شریعت سے تجاوز
 کرے۔ اور مشتبہ اور حرام میں مبتلا ہو جائے۔ شریعت کی حدود کا احترام نہ کرنا چاہیے۔ اور ان سے سر مو جھانڈ نہ ہونا چاہیے
 رسم اور عادات کے طور پر غلامانہ پڑھنے و اسے اور روزہ رکھنے و اسے بہت ہیں۔ لیکن ایسے پرہیزگار جو حدود و شریعت
 کی حفاظت کریں۔ بہت کم لوگ ہیں۔ اور نیک و بد میں فرق کرنے والی چیزیں پرہیز گاری ہے۔ کیونکہ نماز اور روزہ تو بظاہر
 دونوں ہی ادا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جَلَّالٌ ذِیْنِکُمْ الْوَدَّعِ رَتھار سے ہن کاسب
 کچھ پرہیز گاری ہے اور ان حضرت نے یہ بھی فرمایا ہے۔ لَا تَعْدِلُ بِالْأَعْمَى شَيْئًا پرہیز گاری کے ساتھ کسی کو برابر
 نہ کر۔

دوست جتنے بھی پر تکلف کھانے کھائیں۔ اور جتنے بھی خوبصورت لباس پہنیں حقیقت یہ ہے۔ کہ اصلی لذت فقیر
 کے کھانے اور لباس میں ہے۔

اُن کو اُس داد بہ شاہاں بہ گدایاں میں داد۔

۱۰ میری تمام تر نصیحت سمجھ ہی ہے۔ کہ تو بچ ہے۔ اور یہ گھر بڑا رنگین ہے۔ ۱۲

۱۱ میں نے بادشاہوں کو وہ دیا ہے۔ اس نے فقیروں کو یہ دیا ہے۔ ۱۲

وہاں سے لے کر یہاں تک بڑا فرق ہے۔ کہ وہ اللہ جل سلطانہ کی رضا سے دور ہے۔ اور یہ اس کی رضا سے قریب ہے۔ اور پھر اس کا حساب بھی ثقیل ہے۔ اور اس کا حساب ہلکا ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔ اور ہمارے لئے ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر۔
 برخود دار سلطان مراد نے توبہ و انابت کی توفیق پائی ہے۔ اور طریقہ اخذ کیا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے۔ کہ وہ اسے ثبات و استقامت عطا فرمائے۔ والسلام علیکم وعلیٰ سائر الاخوان

مکتوب نمبر ۸۲

خواجہ شرف الدین حسین کی طرف صدا اور فرمایا

رکعتی دنیا سے پرہیز کرنے اور روشن شریعت پر ترجیح دینے اور اس کے متعلقات کے بیان میں)
 اے اللہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل دنیا کو ہماری نگاہ میں حقیر اور آخرت کو بڑا کر عزیز بنا دینا کی آفات کی طرف کبھی رغبت نہ کرنا۔ اور فانی کر دینا۔ فریقہ کبھی فریقہ نہ ہونا۔ کوشش کرو کہ اپنی تمام سہولت و مسکنات میں روشن شریعت کے مطابق عمل کیا جائے۔ اور نورانی مذہب کے مطابق زندگی گزر جائے۔ سب سے پہلے علماء اہل سنت کی رائے کے مطابق اعتقاد درست کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد فقہی عملی احکام کا معاطرہ ہے۔ فرض کی ادائیگی میں اہتمام کرنا چاہیئے۔ اور حلال حرام میں بہت احتیاط کرنا چاہیئے۔ نفلی عبادتیں فرضی عبادتوں کی نسبت بالکل بے حقیقت ہیں۔ اولاً ثبات کے قابل نہیں ہیں۔

اس وقت کے اکثر آدمی نوافل کی ترویج اور فرض کی تحریب میں گئے ہوئے ہیں۔ وہ نفلی عبادت کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور فرض کو توبہ کے لائق نہیں سمجھتے۔ اور انہیں حقیر مہیے اعتبار جانتے ہیں۔ تمام دولت وقت یا بے وقت مستحق اور غیر مستحق کو دیتے ہیں۔ لیکن ایک دوسری بھی ان کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں دنیا جو کہ صحیح معرفت ہے۔ بڑا مشکل ہے۔ یہ نہیں جانتے۔ کہ زکوٰۃ میں ایک دوسری دنیا نفلی صدقہ میں ایک لاکھ روپے دینے سے بہتر ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں صرف خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے۔ اور نفلی صدقہ میں بسا اوقات نفسانی خواہشات شامل ہوتی ہیں اس لئے فرض کی ادائیگی میں ریا کی گنجائش نہیں ہے۔ اور نفلی میں دکھلاوے کا میدان وسیع ہے۔ یہی نحو ہے۔ کہ ادا شدہ زکوٰۃ میں اظہار بہیز ہے۔ کہ اپنے آپ سے الزام کو دور کر سکے۔ اور نفلی صدقہ پوشیدہ طور پر دینا بہتر ہے۔ کہ وہ قبولیت کے زیادہ لائق ہے۔ محتصر یہ کہ شرعی احکام کے التزام سے چارہ نہیں ہے۔ تاکہ دنیا کی تکالیف سے خلاصی

متصور ہو۔ اور اگر حقیقی طور پر دنیا کا پھوڑا نامیہ نہ ہو سکے۔ تو دنیا کو حکمی طور پر پھوڑنے میں کوتاہی نہ کرے۔ اور وہ اقوال و افعال میں شریعت کا التزام ہے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔

مکتوب نمبر ۸۳

میرا ہر محمود کی طرف صائد فرمایا۔

اس طائفہ علیہ کی محبت میں جو تمام سعادتوں کا سرمایہ ہے۔ اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔
الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى

اس علاقہ کے فقراء کے حالات بجا اللہ تعریف کے قابل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے آپ کی سلامتی اور عافیت اور ثبات اور شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والبرکۃ والتخیر کی شاہراہ پر استقامت کی دعا ہے۔
میرے عزیز اور ارشد بھائی نے جو اس فقیر سے طریقہ اخذ کیا تھا۔ جو کہ محبت کا بہت ہی کم موقع ملا تھا جو کہ ان بزرگواروں کے نزدیک ایک بہت بڑا اصل ہے۔ خیال ہے۔ کہ اس پر برکت و ثمرات لائق مترتب نہ ہوئے ہوں گے لیکن اگر محبت کا کچھ ٹھنڈا بہت ربط جو کہ اس طریقہ کے سیکھنے کے لوازمات میں سے ہے۔ باقی ہے تو یہ بہت بڑی دولت ہے کیونکہ انہی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کی محبت ہوگی۔ پہلی برکت جو پہلی ہی محبت میں اس طریقہ کے مبتدی رشید کو حاصل ہوتی ہے وہ مطلوب حقیقی حل سلطانہ کے ساتھ دل کی توجہ کا دوام ہے۔ اور تھوڑی ہی مدت کے بعد یہ دوام ماسوی کے نیان کی طرف توجہ کو مٹے جاتا ہے۔ کہ اگر بالفرض طالب کی عمر بزرگ ہو جائے۔ تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی چیز کا گند نہ ہو۔ اس نیان کی وجہ سے جو اسے ماسوا سے حاصل ہوا ہے۔ اور اگر بہ تکلف بھی اس کو ماسوی کی یاد دلائیں۔ تو اسے یاد نہ آئے

اور جب یہ سبت حاصل ہو جاتی ہے۔ تو اس راہ میں پہلا قدم اٹھتا ہے۔ اور دوسرے اور تیسرے اور چوتھے قدم پھر جہاں تک بھی اللہ تعالیٰ چاہے۔ اس کے متعلق کیا کہوں۔ تھوڑی چیز کثیر پرولات کرتی ہے۔ اور قطرہ بے پایاں سمندر کا پتہ دیتا ہے۔ مقصود دوستوں کو ترغیب دلانا ہے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اس کو نافع بنائیں۔ میں عبد العظیم نے کپ کی محبت و اخلاص کی کیفیت کی اطلاع لڑائی بیان کی۔ اور اس گفتگو پر لائے۔ والسلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الهدی
والترجم متابعہ المصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام

مکتوب نمبر ۸۴

شیخ مجید بنگالی کی طرف صادر فرمایا۔

بعض مواضع کے بیان میں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى۔

میرے ہدایت یافتہ بھائی۔ میں شیخ عبدالحمید نے عجیب طرح کی گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے۔ کہ اس میں سلام و پیام کی بھی بہت کم گنجائش ہے۔ ان سات آٹھ سالوں میں آپ کی طرف سے ایک خط پہنچا ہے۔ وہ بھی ناقص اور نامکمل اور وہ خطوط جو اس جانب سے جاتے ہیں معلوم نہیں کہ وہ آپ کو شتے ہیں یا نہیں۔ میرے عزیز بھائی شیخ عبدالحمی چونکہ اپنے وطن جا رہے ہیں۔ ان سے کہا ہے کہ ایک بار وہ تم سے ملیں۔ اور آپ کے حالات پر مطلع ہوں۔ شیخ عبدالحمی قریباً پانچ سال تک خدمت میں رہے ہیں۔ اور حاضری کی اکثر غفرت انہیں سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہ فقیر کے علوم و معارف سے سیراب ہیں۔ اور جذبہ و سلوک کے احوال سے آگاہ ہیں۔ مشد الیہ سے کہا ہے کہ وہ چند روزہ آپ کے ہاں ٹھہریں۔ اور وہ علوم و معارف جو مناسب وقت و حال ہوں۔ درمیان میں لائیں۔ گزرے ہوئے اور موجودہ وقت کے کچھ بھی احوال و مواجید ہوں۔ سب مشد الیہ سے کھول کر بیان کر دیں۔ اور جو وہ نصیحت کریں اس پر یقین رکھیں۔ باقی حالات شیخ عبدالحمی آپ سے بالمشافہ کہیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ والسلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الہدی۔

مکتوب نمبر ۸۵

شیخ نور محمد کی طرف صادر فرمایا۔

(شیخ عبدالحمی کے بعض کلمات کے بیان)

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى۔

اس علاقہ کے فخر کے احوال و اطوار قابل تعریف ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے آپ کی استقامت کی دعا ہے۔ میرے بھائی میاں شیخ عبدالحی آپ کے شہر کے رہنے والے ہیں۔ اور آپ کے ہمسایہ میں آئے ہیں۔ اس راہ کی ضروری چیزوں اور علوم و معارف عزیزہ کا نسخہ ان کے پاس ہے۔ دور کے دوستوں کے لئے ان کی ملاقات فہیمت ہے۔ مگر ابھی ابھی آئے ہیں۔ اور نئی خبریں لائے ہیں۔ ان کے پاس فنا و بقا کا نشان ہے۔ اور جذبہ و سلوک کا بیان بلکہ فنا و بقا سے اور بھی مشہور ہیں۔ اور جذبہ و سلوک جو قوم میں مقرر ہے۔ اس کی سرگزشت سے آگاہ ہیں۔ بلکہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ ان کی اس جگہ میں گزر گاہ ہے۔ مکتوبات کے بہت سے معارف عزیزہ ان کے گوشِ زرد ہیں۔ اور اپنی ہمت کے مطابق استفسار کر کے بھی انہوں نے دریافت کیا ہے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔ اپنے حالات تفصیل سے ان کو سنائیں۔ اب زائد چیزوں میں کیا مشغول ہوں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۸۶

شیخ طاہر بدخشانی کی طرف صادر فرمایا۔

ان کے خط کے جواب میں

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ آمَنُوا

میرے عزیز بھائی کامیوف گرامی پنپنا۔ ان احوال و معارف سے جو اس میں لکھے تھے۔ واضح طور پر معلوم ہوتے اور خوش ہوا۔ کتنی بڑی دولت ہے۔ کہ معتقوں اور مخلصوں نے تمام چیزوں سے ہاتھ اٹھا کر جنابِ قدس تعالیٰ و تقدس کی طرف توجہ کر لی ہے۔ اور ماسوا کو پاؤں کی تھوکر لگا کر پوری طرح پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں۔ باقی اس علاقہ کی کیفیات شائد شیخ عبدالحی تفصیل سے بیان کریں گے۔ اور ربانی اور لکھے ہوئے علوم و معارف انکے پاس بہت ہیں۔ اسی لئے ان کو نہیں لکھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طیف اللہ تعالیٰ تمام امور کا انجام بخیر کرے

مکتوب نمبر ۸۷

فتح خاں افغان کی طرف صادر فرمایا۔

کچھ نصائح کے بیان میں

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفٰی۔

مکتوب شریف جو کہ فقیروں کے ساتھ کمال محبت و اخلاص کا پتہ دیتا تھا پہنچا۔ حق سبحانہ و تعالیٰ ان کی محبت عطا فرمائے۔ وہ نصیحت جو سعادت مند دوستوں سے کہی جاتی ہے۔ سنت سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے پرہیز کرنا ہے جو آدمی بھی سنتوں میں سے کسی مردہ سنت کو جو مترک العمل ہو چکی ہو زندہ کرتا ہے۔ اس کو سو شہید کا ثواب ملتا ہے۔

پھر اس کے اجر کا اندازہ کرو۔ جو فرضوں میں سے کسی فرض یا واجبات میں سے کسی واجب کو زندہ کرتا ہے۔ پس نمازیں تعدیل امکان جو کہ اکثر علماء حنفیہ کے نزدیک واجب ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک فرض ہے۔ اور بعض علمائے احناف کے نزدیک سنت ماکدہ ہے۔ اور اکثر آدمیوں میں اس پر عمل مترک ہو چکا ہے اس ایک عمل کے زندہ کرنے کا اجر سو شہید کے ثواب سے جو کہ اللہ کی راہ میں شہید ہو چکے ہوں۔ زیادہ ہو گا۔ اور شریعت کے تمام احکام۔ حلال۔ حرام۔ مکروہ و مہلک کو اسی پر قیاس کرو۔

علمائے کہا ہے۔ اس آدمی کو ایک دمڑی واپس کرنا جس پر ظلم کر کے بلا توجہ شریعت چھین لی تھی۔ دو سو درہم صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ اور علمائے یہ بھی کہا ہے۔ کہ اگر کسی آدمی کے پاس پیغمبر بخشنے میں نیک عمل ہوں۔ اور اس پر کسی کا آدمی دمڑی ملے گی تو اس آدمی کو بہشت میں نہ لے جائیں گے۔ جب تک کہ وہ آدمی دمڑی ادا نہ کرے گا۔ حق یہ کہ ظاہر کو احکام شرعیہ سے مزین کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ تاکہ غفلت اکوہ نہ ہو۔ اور احکام شرعیہ سے آراستہ ہونا باطن کی امداد کے بغیر مشکل ہے۔ علماء فتویٰ دیتے ہیں۔ اور اللہ والے کام کرتے ہیں۔ کہ باطن کا اہتمام ظاہر کے اہتمام کو مستلزم ہے۔ اور جو باطن میں مشغول ہو۔ اور ظاہر سے عاجز ہو وہ سب دین ہے۔ اور اس کے باطن کے احوال اس کا استدراج ہیں۔ حال باطن کی صحت کی علامت احکام شریعت سے ظاہر کا آراستہ ہونا ہے۔ استقامت کا طریقہ یہی ہے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔

مکتوب نمبر ۸۸

ملا بدیع الدین کی طرف صادر فرمایا۔

رضنا بالقضاء اور مولا کے فعل سے لذت حاصل کرنے کے بیان میں

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی۔

مقبول بندہ وہ ہے جو اپنے مولا کے فعل پر راضی ہو اور جو اپنی رضا کے تابع ہے۔ وہ آپ اپنا بندہ ہے۔ اگر مالک بندہ کے گلے پر چھری چلائے۔ تو بندہ کو چاہیئے کہ اس وقت شاداں و خنداں ہو۔ اور مالک کے اسی فعل کو اپنی مرضی سمجھے۔ بلکہ اس فعل سے لذت حاصل کرے۔ اور اگر معاذ اللہ اس کو اس فعل سے کراہت پیدا ہو اور اس کا سینہ تنگ ہو تو وہ بندگی کے دائرہ سے دور ہے۔ اور مولا کے قرب سے راندا ہوا ہے۔

جب طاعون اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ تو چاہیئے کہ اس کو اپنی مراد سمجھیں۔ اور خوش و غرم ہوں۔ اور طاعون کے غلبہ سے ہیشانی پر بل نہ ڈالیں۔ اور دل تنگ نہ ہوں۔ بلکہ حب وہ محبوب کا فعل ہے۔ تو اس سے لذت حاصل کرے۔ اور ایک کی اصل مقرر ہے جس میں کمی بیشی کا احتمال نہیں ہے۔ پھر پریشانی کیسی ہے۔ زیادہ سے زیادہ۔ یہ ہے کہ معصیت سے عاقبت طلب کریں۔ اور اس کی ناراضگی سے پناہ و حوید میں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی بندہ کے سوال و دعا میں ہے۔ تمہارے رب نے فرمایا ہے۔ تم مجھے پکارو۔ میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔

مولانا عبدالرشید آئے ہیں۔ اور انہوں نے اس علاقہ کے حالات بیان کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تمام غلہ پڑا اور باطنی آفتوں سے محفوظ رکھے۔

مکتوب نمبر ۸۹

سیادت پناہ میرے محب اللہ کی طرف نصائح کے متعلق صادر فرمایا۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو آپ کے آبا کرام کی راہ پر بطفیل اپنے حبیب سید الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ثابت قدم رکھے۔

اس علاقہ کے فقرا کے اعمال و اعلیٰ تعریف کے لائق ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ تک اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی حمد اور اسنا ہے۔ اور ان کے بنی پر ہمیشہ ہمیشہ تک درود اور سلام ہو۔ آپ کی سلامتی۔ عافیت۔ ثبات اور استقامت کے لئے دست برد ہوں۔

مقدم کرم شفقت آثار کلام کا دقت نکلا جا رہا ہے۔ اور ہر لحظہ جو گزر جاتا ہے۔ عموماً کم کر جاتا ہے۔ اور وقت مختصر کو قریب کر دیتا ہے۔ آج اگر گاہ نہ ہوئے۔ تو کل سوائے حسرت و ندامت کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ استقام کرنا چاہیئے

کہ ان چند دنوں میں روشن شریعت کے مطابق زندگی گزر جائے تاکہ نجات منظور ہو۔ یہ وقت عمل کا وقت ہے۔ عیش و اکرام کا وقت آگے ہے۔ جو کہ اس عمل کا پھل ہے۔ کام کے وقت عیش کرنا اپنی کھیتی کو برباد کرنا ہے۔ اور اسکے پھل سے محروم رہنا لپا ہوا کیا تکلیف دوں۔ خدا کرے آپ کو ظاہری اور باطنی دولت نصیب ہو۔

مکتوب نمبر ۹۰

مرزا عرب خاں کی طرف سفارش کے متعلق صادر فرمایا۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کو آفاقی اور انفسی دشمنوں پر مدد اور غلبہ عطا فرمائے۔ اور آپ کو تمام ظاہری اور باطنی مصیبتوں سے محفوظ رکھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مخلوق اللہ تعالیٰ کے عیال ہیں اور مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو درپیش ہے۔ جو اس کے عیال سے اچھا سلوک کرے۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ مخلوق کے رزق کا کلیل ہے۔ پس مخلوق اس کے عیال کی طرح ہے۔ جو آدمی کسی کے عیال سے غمخیزی کرے۔ اور اس کے بوجھ کو برداشت کرے تو یہ شخص اس عیال و اسے کا محبوب ہو جائے گا۔ کہ اس نے اس کا بوجھ ہلکا کر دیا۔ اور اس کی مشقت کو اپنے اوپر ڈال لیا۔ اس بنابر تکلیف دینے کی جرأت کرتا ہوں۔ کہ حافظ حامد نیک آدمی اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے ہیں۔ بال بچہ کی کثرت نے ان کو پریشان کر رکھا ہے۔ وہ ان کی ذمہ داری سے عہدہ براہنہیں ہو سکتے۔ آپ کے کرم و درخواست ہے۔ کہ ان کی امداد و اعانت کریں۔ سنی لوگوں کو سخاوت کے لئے بہانہ کافی ہے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۹۱

مخدوم زادہ خواجہ محمد سعید کی طرف صادر فرمایا۔
قَابِ قَوْسَيْنِ اِذَا دُنِيَ كَمَا اسرار کے بیان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

مقام قَابِ قَوْسَیْنِ اَدَا دُنِی سے ایک سر عظیم سنو کہ جب انسان کامل سیر الی اللہ پوری کرنے کے بعد سیر فی اللہ سے متصف ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متعلق ہوتا ہے۔ اور مجل طور پر اس پر کو بھی پورا کرتا ہے۔ اور اسماء و صفات کے پر تو کے ظہور کے دائرہ کو جو سیر فی اللہ سے وابستہ ہے ختم کرتا ہے تو اس لائق ہو جاتا ہے کہ معشوق بلا واسطہ غلیظت کے شائبہ اور علول اور حقیقت کے توہم کے بغیر اس میں ظہور اور چون کر معشوق کی صفات فانیہ اس کی ذات سے علیحدہ نہیں ہیں۔ تو لازمی طور پر صفات کے ساتھ ذات کا ظہور بھی عاشق کے عین میں ہو گا۔ اور وہ تو اس تک پہنچ جانے کا جو کہ قوس صفات اور قوس ذات ہیں۔ یہ مقام قَابِ قَوْسَیْنِ کے مقامات میں سے نہایت بلند ہے جو غلیظت کے شائبہ کے بغیر ظہور اصلی سے تعلق رکھتا ہے۔

اور اگر خدا تعالیٰ کے بہ بانی سے عاشق صادق کو معشوق کی ذات سے اس درجہ تک گرفتاری ہو جانے کے اس کا کوئی اسم اور صفت باقی نہ رہے۔ تو اس وقت فضل خداوندی جل سلطانہ سے اسم اور ذات اس کی نظر سے اٹھ جاتے ہیں۔ اور سوائے ذات کے کوئی چیز اس کے سامنے ملحوظ اور مشہود نہیں رہتی مگر جو صفات ہوتی ہیں۔ لیکن ان کو مشہود نہیں ہوتیں۔ اس حالت میں او ادنیٰ کا لازظاہر ہوتا ہے۔ اور قوسین کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ اس بلند مقام سے جب مربوط ہوتا ہے۔ تو پہلا قدم عالم خلق میں پڑتا ہے۔ بلکہ عنصر خاک میں بیٹھ جاتا ہے۔ کہ وہ عنصر ہر دوری اور مجبوری کے باوجود موجودات میں عالم قدس سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ عجیب معاملہ ہے اگر ہم عروج اور صعود کا اعتبار کرتے ہیں۔ تو عالم امر کو اقرب موجودات جانتے ہیں۔ بلکہ عالم قدس سے لطیف اخفی عالم امر کو سب سے زیادہ قریب پاتے ہیں۔ اور جب نزول وبوط پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو قرب کی دولت عالم خلق کے نصیب میں چلتے ہیں۔ بلکہ عنصر خاک کے حصہ میں جاتے ہیں۔

ہاں چونکہ کے دائرہ سے جانب عروج اس کو پہلا نقطہ ہم ملا حکم کرنے ہیں۔ اور اس سے اقرب نقطہ عروج کی جانب میں اس دائرہ سے نقطہ ثانیہ ہے۔ اور بوط کی جانب میں جو ملا حکم کیا جاتا ہے۔ تو اس پہلے نقطہ سے سب سے قریب نقطہ اس دائرہ کا آخری نقطہ ہے۔ اس قدر فرق ضرور ہے کہ وہ نقطہ ثانیہ عروج میں نقطہ اولیٰ سے مخالفت سمت میں ہے۔ اور یہ آخری نقطہ اس پہلے نقطہ کے مقابل اور سامنے ہے۔ مخالفت سمت اور موافق سمت میں بہت بڑا فرق ہے۔ کیونکہ نقطہ ثانیہ نقطہ اولیٰ کے ظہورات سے میلان رکھتا ہے۔ اور نقطہ اخیر ظہورات سے پشت دکھا کر ذات ظاہر کا خلاف ہے۔ سو یہ کہاں اور وہ کہاں۔ اسے ہمارے رب میں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔ اور ہمارے نکاح میں بے لانی پیدا کر۔ والسلام علی من اتبع الہدی۔

مکتوب نمبر ۹۲

سیادت باب میر محمد نعمان کی جانب مسدور فرمایا

اس بیان میں کہ ولایت قرب الہی سے عبارت ہے۔ اور خوارق و کرامات اس کی شرط نہیں ہیں۔ اور بادشاہوں کو تقطعی سجدہ کرنے اور اسکے مناسبات کے بیان میں

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفٰی۔

سیادت باب میرے عزیز بھائی میر محمد نعمان خوش رہیں۔ اور جان لیں کہ خوارق و کرامات کا ظہور ولایت کیلئے شرط نہیں ہے۔ اور جس طرح علماء خوارق و کرامات کے حصول کے مکلف نہیں ہیں۔ اولیاء بھی ظہور خوارق کے مکلف نہیں ہیں۔ کیونکہ ولایت قرب الہی جمل سلطانہ سے عبارت ہے جو ماسوی کے لبیان کے بعد اپنے دوستوں کو مرحمت فرماتے ہیں۔ کسی شخص کو یہ قرب عطا فرماتے ہیں۔ اور اسے نئے پیدا ہونے والے غیبی احوال کی کوئی اطلاع نہیں دیتے اور کسی شخص کو یہ قرب بھی دیتے ہیں۔ اور مغیبات پر اطلاع بھی بخشے ہیں۔ اور تمیز کے آدمی کو قرب سے تو کچھ نہیں دیتے لیکن اسے مغیبات کی اطلاع دے دیتے ہیں۔

یہ تمیز شخص استدراج والوں میں سے ہے۔ اور اس کے نفس کی صفائی نے اس کو کشف مغیبات میں مبتلا کر دیا ہے۔ اور گمراہی میں ڈال دیا ہے۔ اس آیت میں ان کے حال کا نشان ہے۔

وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ أَلَّا نَحْنُ اللَّهُ قَالُوا لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ اسْتَحْذَرُوا الشَّيْطَانَ فَانْزَلَهُم بِذِكْرِ اللَّهِ أُولَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْفَاسِقُونَ (مجادلہ ۲۵) اٹھائے والا ہے۔

اور پہلا اور دوسرا شخص جو کہ قرب کی دولت سے مشرف ہے۔ اولیاء اللہ سے ہے۔ کشف مغیبات نہ تو ان کی ولایت میں کچھ اضافہ کرتا ہے۔ اور عدم کشف ان کی ولایت میں نقصان پیدا کرتا ہے۔ ان کا فرق آپس میں درجات قرب کے اعتبار سے ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ جس کو غیبی صورتوں کا کشف نہیں ہے۔ وہ ان صورتوں کے کشف والے سے افضل ہوتا ہے۔ اور اس سے آگے ہوتا ہے۔ اس قرب کی فضیلت کی وجہ سے جو کہ اس کو حاصل ہے۔ صاحب معرفت جو کہ شیخ الشیوخ ہیں۔ اور تمام صوفیاء میں مقبول ہیں۔ اپنی کتاب عوارف میں اس معنی کی تصریح کرتے

ہیں۔ اگر کوئی آدمی میری اس بات کا یقین نہ کرے۔ تو اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔ وہ کرامات و خوارق کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں۔ اور یہ تمام خوارق و کرامات اللہ تعالیٰ کی بخشش ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو ان کا کشف عنایت فرماتے ہیں۔ اور یہ دولت ان کے سپرد کرتے ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ان سے بھی بلند مرتبہ ہوتے ہیں۔ اور ان کو کرامات و خوارق میں سے کچھ بھی نہیں دیتے۔ اس سے نہ سب کرامات یقین کی تقویت کے لئے عطا فرماتے ہیں۔ اور جس آدمی کو خالص یقین دیا گیا ہے۔ اس کو ان کرامات کی حاجت نہیں ہوتی۔ اور یہ تمام کرامات و کرامات سے کمتر ہیں۔ اور اسی طرح جو ہر قلب سے بھی کمتر ہیں۔ جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔

اور امام طالع خواجہ عبداللہ انصاری جو شیخ الاسلام سے ملقب ہیں۔ اپنی کتاب منازل السائرين میں لکھتے ہیں کہ فرست دو قسم ہے۔ ایک فرست اہل معرفت کی ہے۔ اور ایک فرست اہل رجوع و اہل ریاضت کی اہل معرفت کی فرست طالبین کی استعداد اور اولیائے حق سباز و تعالیٰ کو پہچاننے سے متعلق ہے جو جمع سے حاصل ہو چکے ہیں۔ اور اہل ریاضت و ایسا رجوع کی فرست غیبی احوال و امور کے کشف سے مخصوص ہے۔ جو مخلوقات سے تعلق رکھتے ہیں۔

چونکہ اکثر لوگ خدا تعالیٰ کی جناب سے منقطع ہو چکے ہیں۔ اور دنیا میں مشغول ہیں۔ ان کے دل کشف و خوارق و مخلوقات کے معنیات کی خبروں کی طرف مائل ہیں۔ تو یہ معاملہ ایسے لوگوں کے نزدیک بہت بڑا ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ یہی اللہ والے ہیں۔ اور یہی اس کے خواص ہیں۔ اور اہل حقیقت کے کشف سے مزید پیچرتے ہیں۔ اور اہل حقیقت پر وہ خبروں کے متعلق جو وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتے ہیں۔ تہمت لگاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر یہ اللہ والے ہوتے۔ جیسا کہ یہ دعویٰ کرتے ہیں۔ تو لازمی طور پر یہ ہمارے غیبی حالات اور تمام مخلوقات کے غیبی احوال بیان کرنے۔ جب ان کو ہمارے احوال کے کشف کی بھی قدرت نہیں ہے۔ تو ان امور کے کشف پر ان کو کیسے قدرت حاصل ہوگی جو مخلوقات کے احوال سے بلند تر ہیں۔

اور اہل معرفت کی فرست کا انکار کرتے ہیں۔ جو خداوند تعالیٰ کے افعال و صفات و ذات سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اپنے اس فاسد خیال کی بنا پر وہ ان بزرگواروں کے علوم اور معارف سے محروم ہوتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ حضرت حق سباز و تعالیٰ نے ان بزرگواروں کو ملاحظہ مخلوق سے بچایا ہے۔ اور ان کو اپنی جناب قدس میں دلائل کے لئے مخصوص کر لیا ہے۔ اور ان کو اپنے ماسوی سے الگ کر کے اپنی جانب مشغول کر دیا ہے۔ بعض ان کی حمایت اور اس غیرت کی وجہ سے جو اللہ ان پر رکھتا ہے۔ اور اگر یہ لوگ مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے۔ تو جناب قدس کی حضوری کی صلاحیت ان میں نہ رہتی۔ آپ کا کلام ختم ہوا۔ اور اس طرح کی اور بھی کئی

باتیں کہی ہیں۔

اور میں نے اپنے شیخ حضرت خواجہ قدس سرہ سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے۔ کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے۔ کہ بعض اولیائے کرام کرام سے بکثرت خوارق و کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ اپنے آخری وقت میں ان کرامات کے ظہور سے نادم ہوئے ہیں۔ اور تمنا کرتے تھے۔ کہ کاش یہ تمام خوارق ہم سے ظہور میں نہ آتے۔ اور اگر فضیلت خوارق کے ظہور کی کثرت کے اعتبار سے ہوتی۔ تو وہ اس معنی پر نادم نہ ہوتے۔

سوال :- جب خوارق کا ظہور ولایت میں شرط نہیں ہے۔ تو ولی کو غیر ولی سے کس طرح تمیز کیا جائے گا۔ اور حق و باطل واسے سے کس طرح جدا ہوگا۔

جواب :- اگرچہ یہ امتیاز نہ ہو سکے۔ اور اگرچہ حق اور باطل واسے جدا نہ ہوں۔ تو کیا حرج ہے۔ کیونکہ اس دنیا کے عالم میں حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور ولی کی ولایت کے علم ہونے کی ضرورت نہیں۔ بہت سے ولی اللہ ایسے ہیں جو اپنی ولایت کی اطلاع بھی نہیں رکھتے۔ تو پھر دوسروں کو ان کی ولایت کی اطلاع ہونا کیسے لازمی ہوگا۔ مہربانی میں خوارق سے چارہ نہیں ہوتا۔ تاکہ بنی اور غیر بنی میں امتیاز ہو سکے۔ کیونکہ بنی کی نبوت کا علم واجب ہے۔ اور ولی چونکہ اپنے بنی کی شریعت کی دعوت دیتا ہے۔ تو بنی کا معجزہ ہی اسے کافی ہے۔ ہاں اگر ولی اپنے بنی کی شریعت کے علاوہ کسی اور چیز کی دعوت دیتا۔ تو پھر خوارق سے چارہ نہ ہوتا۔ اور جب کہ اس کی دعوت بنی کی شریعت سے مخصوص ہے۔ تو کسی کرامت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

علامہ شریعت کے ظاہر کی دعوت دیتے ہیں۔ اور اولیاء شریعت کے ظاہر کی دعوت بھی دیتے ہیں اور شریعت کے باطن کی بھی دعوت دیتے ہیں۔ سب سے پہلے توفیق مریدوں اور حق کے طالبوں کو توبہ اور رجوع الی اللہ کی مہتمانی کرتے ہیں۔ اور احکام شریعت کی تعمیل کی ترغیب دیتے ہیں۔ اور دوسرے درجہ پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی مہتمانی کرتے ہیں۔ اور تاکید کرتے ہیں۔ کہ اپنے تمام اوقات کو ذکر الہی میں مستغرق رکھیں اس حد تک کہ یہ ذکر غائب آجائے۔ اور مذکور کے علاوہ کوئی چیز جی دل میں نہ چھوڑے۔ یہاں تک کہ ماسی سے ایسا انسان حاصل ہو جائے۔ کہ اگر وہ تکلف سے بھی کوئی چیز یاد کرے۔ تو اس کو یاد نہ آئے۔

یقین ہے کہ کوئی کو اس دعوت کے لئے جو کہ ظاہر شریعت اور باطن شریعت سے تعلق رکھتی ہے۔ کرامت کی کیا ضرورت ہے۔ پیرایہ از مہدی اسی دعوت سے عبارت ہے۔ جو کہ کرامت سے کوئی کام نہیں رکھتی۔ اور خوارق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس کے باوجود ہم کہتے ہیں۔ کہ سریدر رشید اور متعدد طالب ہر وقت سلوک طریق میں پیر کی کرامات و خوارق کا احساس کرتا ہے۔ اور غیبی معاملہ میں ہر وقت اس سے مدد چاہتا ہے۔ اور مدد پاتا ہے۔ اور دوسروں کے لئے ظہور خوارق کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن مریدوں کے لئے کرامت و کرامت اور خوارق و خوارق ہے۔

مرید اپنے پر کی کرامات کا احساس کیوں نہ کرے۔ کہ پر نے اسکے مردہ دل کو زندہ کر دیا ہے۔ اور مشاہدہ اور کشف تک پہنچایا ہے۔

عوام کے نزدیک تو جسم کو زندہ کرنا عظیم الشان ہے۔ اور خواص کے نزدیک روحانی طور پر زندہ کرنا بڑی بلند مرتبہ دلیل ہے۔ خواجہ محمد پارسی قدس سرہ اپنے رسالہ قدسیہ میں لکھتے ہیں کہ جسم کا زندہ کرنا چوں کہ اکثر آدمیوں کے نزدیک معتبر ہے۔ اللہ والوں نے اس طرح زندہ کرنے سے منہ موڑا۔ اور روحانی طور پر زندہ کرنے میں مشغول ہوئے۔ اور طالب کے مردہ دل کو زندہ کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔

اللہ صبح بات تو یہ ہے کہ جسم کو زندہ کرنا دل کو زندہ کرنے کی نسبت بالکل بے کار چیز ہے۔ اور اس پر نگاہ ڈالنا بھی عبث ہے۔ کیونکہ جسمانی چند مردہ زندگی کا سبب ہے۔ اور قلبی زندگی حیات دائمی کا وسیلہ ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ فی الحقیقت اللہ والوں کا وجود بذات خود کرامات میں سے ایک کرامت ہے۔ اور ان کا لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف دتو بنانا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے۔ اور مردہ دلوں کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ بڑی نشانی ہے۔ یہ لوگ زمین والوں کے لئے ایمان ہیں۔ اور زمانے کے لئے تعلیمت ہیں۔ یہ چھوڑ دو قوت و پیر ہجر و محکمات و انہیں کے ذریعہ سے لوگوں کو رزق قنا ہے۔ اور انہیں کے سبب سے بارشیں ہوتی ہیں۔ انہیں کی شکر میں ہے ان کی گفتگو و دوا ہے۔ اور ان کی نظر شفا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہم جلیں ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کے پاس بیٹھنے والا بلا محنت نہیں ہوتا۔ اور ان سے دوستی رکھنے والا ناسلامد ہوتا ہے۔

وہ علامت جس سے حق و سب باطل والوں سے جدا ہوتے ہیں۔ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شریعت پر انتظام رکھتا ہو۔ اور اس کی مجلس میں دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجحان اور توجہ ہو۔ اور ماسوی سے دل سرد ہو جائے۔ تو معلوم ہو گا کہ یہ آدمی حق والا ہے۔ اور علی اختلاف درجات اور ایمان میں سے ہے۔ اور یہ علامت بھی نسبت والوں کے لحاظ سے ہے۔ اور بے نسبت پوری طرح محروم ہے۔

مرکز اور دوسرے بہرہ و نہ داشت و بدین دوسرے بھی سود نہ داشت

اکپ نے اپنے مکتوب میں بادشاہ وقت کی خدا طلبی کی حسن نشاۃ کی طرف کچھ اشارہ کیا ہے۔ اور احکام شرعیہ کے التزام اور انصاف پروری کے متعلق لکھا ہے۔ اس کو پرٹھو کہ طبیعت بہت خوش ہوئی۔ اور لذت پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح دنیا کو بادشاہ وقت کے علل و انصاف سے روشن کیا ہے۔ شریعت و ملت محمدیہ کو بھی انہیں کے حسن اہتمام سے مدد اور عزت بخشی ہے۔

اسے محبت آثار الشُّدُوحِ تَحْتَ السَّيْفِ - (شریعت کا غلبہ تلوار کے نیچے ہے) کے مطابق شریعت
خوگیا کافران سلاطین نظام کے اچھے اہتمام سے وابستہ ہے۔ کچھ مدت اندری ہے۔ کہ اس بات میں ضعف پیدا ہو
چکا ہے۔ تو لازماً اسلام کمزور ہو چکا ہے۔ ہندوستان کے کافر بے تحاشا مسجدوں کو گرہا رہے ہیں۔ اور ان کی
جگہ اپنی عبادت گاہیں بنا رہے ہیں۔ خنانیر کو کھیت حوض کے اندر ایک مسجد بنائی۔ اور کسی بزرگ کا مقبرہ و قفا۔ ان کو گرہا
کر اس جگہ میں ایک بہت بڑا گوردوارہ تعمیر کیا ہے۔ اس کے علاوہ کافر لکھنؤ میں بر ملا بجالاتے ہیں۔ اور مسلمان
اسلام کے انحراف کام کے نافذ کرنے میں عاجز ہیں۔ ایکادشی کے دن ہندو کھاتے پیتے نہیں ہیں۔ وہ اہتمام کرتے ہیں
کہ اس دن مسلمانوں کے شہروں میں بھی کوئی مسلمان بازار میں روٹی نہ لپکائے۔ اور نہ فروخت کرے۔ اور نہ کھانا لپکائے
اور نہ پھنکے۔ اور رمضان المبارک کے مہینہ میں کھلم کھلا روٹی اور کھانا پکاتے ہیں۔ اور بیچتے ہیں۔ اور کوئی بھی ان کو اسلام
کی کمزوری کی وجہ سے منع نہیں کر سکتا۔

انسوس ہزار انوس اوقات کا بادشاہ مسلمان ہے۔ اور ہم فقیر اس کمزوری اور خرابی میں ہیں۔ ان بادشاہوں کے
اکرام و اعزاز کی وجہ سے اسلام رونق رکھتا تھا۔ اور علماء اور صوفیاء معزز و محترم تھے۔ اور ان کی امداد سے شریعت
کے نافذ کرنے میں کوشش کرتے تھے۔ میں نے سنا ہے۔ کہ ایک دن صاحبِ قرآن امیر تیمور گورگان رحمۃ اللہ علیہ غبار
کے بازار میں سے گذر رہا تھا۔ اتفاقاً خواجہ نقشبند قدس سرہ کی خانقاہ کے درویش اسی بازار میں خواجہ کی خانقاہ کی چٹائیوں
کو جھاڑ رہے تھے۔ اور گرد و غبار سے صاف کر رہے تھے۔ امیر تیمور اپنی مسلمان کی اچھی حالت کے سبب سے اسی جگہ
میں ٹھہر گیا۔ اور خانقاہ کی گرد کو اپنے سے جڑ اور مندل بنایا۔ آخر اس کا حال اچھا ہو گیا۔

منقول ہے۔ کہ خواجہ نقشبند قدس سرہ امیر کی وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے۔ تیمور گر گیا۔ لیکن بایاں مرا
جانتے ہو۔ کہ جمعہ کے روز خطبہ میں بادشاہوں کے نام نیچے کے زیر پر کھڑے ہو کر بیٹھتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ
ہے۔ یہ تو اضع ہے۔ جو سلاطین عظام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلفائے راشدین رضی اللہ
عنہم کے بالمقابل اختیار کر رکھی ہے۔ اور انہوں نے یہ جائز نہیں سمجھا ہے۔ کہ بادشاہوں کے نام اکابرین دین کے
ناموں کے ساتھ ایک درجہ میں مذکور ہوں۔ شکر اللہ تعالیٰ سببہم

ذیلی بحث

اسے بجائی مسجد ہو کہ زمین پر پیشانی رکھنے کا نام ہے۔ نہایت درجہ کی ذلت اور انکساری کا متقن ہے۔ اور کمال
درجہ کی عاجزی اور تواضع پر مشتمل ہے۔ لہذا اس قسم کی تواضع کو اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کی عبادت سے معصوم کر
رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لئے جائز نہیں رکھا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت سید غفر علیہ السلام ایک دن راستہ میں جا رہے تھے۔ ایک بدوی نے اگر معجزہ طلب کیا۔ تاکہ ایمان لائے۔ آنسہ فرمایا علی اکرم الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اس درخت سے جا کر کہو کہ تجھے پیغمبر بلاتے ہیں۔ وہ درخت اپنی جگہ سے ہلا۔ اور آنحضرت کی خدمت کی طرف متوجہ ہوا۔ اس بدوی نے جب یہ حال دیکھا تو مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد کہنے لگا۔ اے اللہ کے رسول۔ اگر آپ حکم دیں۔ تو میں آپ کو سجدہ کروں۔ آپ نے فرمایا۔ خداوند تعالیٰ نے سوا اور کسی کو سجدہ کرنا لائق نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو سجدہ کرنا جائز سمجھتا تو عورت سے کہتے کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

بعض فقہانے اگرچہ بادشاہوں کے لئے تعظیم کا سجدہ جائز قرار دیا ہے۔ لیکن سلاطین عظام کے حال کے لائق یہ ہے کہ اس امر میں خداوند تعالیٰ کے سامنے تواضع کریں۔ اور اس درجہ کی ذلت و انکسار خدا کے سوا اور کسی کے لئے جائز نہ رکھیں۔ خداوند تعالیٰ نے دنیا کو اپنے نافرمان بنایا ہے۔ اور ان کا محتاج کیا ہے۔ اس نعمت عظمیٰ کا شکر یہ بجالائیں۔ اور اس طرح کے ادب کو جو کمال عظیم و انکساری کا مظہر ہے۔ خداوند تعالیٰ کی جناب کے سوا اور کسی کے لئے جائز نہ رکھیں۔ اور اس معاملہ میں خداوند تعالیٰ کے شریک نہ بنیں۔ اگرچہ فقہاء کی ایک جماعت نے اس صورت کو جائز رکھا ہے۔ لیکن ان کی حسن تواضع یہ ہونی چاہیے۔ کہ اپنے لیے اس کو جائز نہ سمجھیں۔

دَلَّيْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ احسان کا بدلہ احسان ہے۔

چونکہ بادشاہ وقت اپنے ممالک کے دور دراز علاقوں سے واپس اگر دراز فاصلہ میں پہنچا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ فقیر بھی حق سبحانہ و تعالیٰ کی مشیت سے جلد ہی وار الفلذ میں پہنچنے کی کوشش کرے۔ باقی عند الملاقات والسلام علی من اتبع الهدی والترمذ متابعت المصطفیٰ علیہ و علی اکرم الصلوٰۃ والسلام والقیلیات العلی

مکتوب نمبر ۹۳

خواجہ اشرف بخشی کی طرف صادر فرمایا۔

اس بیان میں کہ جتنے ہی عالم خلق از عالم امر کے لطائف میں ان کا ظاہر بھی ہے۔ اور باطن بھی اور اس باطن کا لائق خدا کے اسم قدیم کے ساتھ ہے۔

اور اس بیان میں کہ نزول کے وقت عارف کلی طور پر اپنے ظاہر و باطن سے بندوں کی دعوت و دعوت
کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

پوری معرفت والے عارف کے عالم خلق و عالم امر ہر چند کہ دونوں اس کی صورت و ظاہر میں بہ نسبت اسم
قیوم کے جو کہ اس عارف کی خاص وجہ ہے کہ حقیقت میں وہ اس عارف کی حقیقت و باطن ہیں جیسا کہ اسکی
تحقیق ایک مکتوب میں لکھی جا چکی ہے۔ لیکن جب اس ظاہر و صورت کو باریک نگاہ سے جو کہ محض اللہ تعالیٰ کے
فضل و کرم سے عنایت ہوتی ہے ہم دیکھتے ہیں تو اس جگہ بھی ظاہر و باطن معلوم ہوتے ہیں۔ اور صورت و حقیقت
ظاہر ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہے کہ عالم خلق کو ہم پورے طور پر ظاہر پاتے ہیں۔ اور عالم امر کو باطن جیسا کہ ایک جماعت
نے خیال کر رکھا ہے۔ بلکہ عالم خلق اور عالم امر کے ہر طبقہ میں ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ مختصر خاک بھی ظاہر اور باطن
رکھتا ہے۔ اور اسی طرح اخفی کا ظاہر بھی ہے۔ اور باطن بھی

اور یہ باطن جو کہ عالم خلق اور عالم امر سے تعلق رکھتا ہے۔ احوال صالحہ کے ذریعہ بلکہ محض خدا تعالیٰ کی عنایت
سے محفوظ و محفوظ اس باطن سے جو کہ اسم قیوم سے وابستہ ہے۔ ملحق ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس باطن سے کچھ اثر با
نہیں رہتا۔ اور خاص ظاہر کے سوا کچھ بھی ہے۔ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اور اس باطن کا اسم قیوم سے الحاق اس معنی
سے نہیں ہے کہ یہ باطن اس اسم میں پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ یا پھر اس اسم سے متحد ہو جاتا ہے۔ کہ بے دینی ہے۔ پاک
ہے وہ اللہ جو اپنی ذات و صفات اور اپنے اسماء میں احوال کے حدوث سے متغیر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس باطن کو اس اسم سے
ایک معمول کی کیفیت نسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے حلول اور اتحاد کا وہم ہونے لگتا ہے۔ اور فی الحقیقت نہ حلول
ہے۔ اور نہ اتحاد کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ امکان کی حقیقت و وجوب کی حقیقت سے تبدیل ہو جاتالی اللہ
عن ذالک کہ یہ محال عقلی ہے۔ اور شریعت کے لحاظ سے بے دینی ہے۔

اور وہ خاص ظاہر جو باقی رہ جاتا ہے اگرچہ وہ عالم شہادت سے ہے کہ مشہور اور مرقی ہے۔ لیکن وہ
باطن کے رنگ میں رنگ ہوا ہے۔ اگرچہ باطن شہود و ادراک کے محیط سے باہر ہے۔ اور غیب سے ملحق ہے
اور بے چونی کا رنگ پیدا کر چکا ہے۔ کیونکہ چون کہ جب تک بے چونی پیدا نہ کرے۔ اور ادراک کے محیط سے باہر
نہ چلا جائے۔ اور شہادت سے باہر اپنا سامان نہ باندھے۔ وہ بے چونی حقیقی سے کوئی حصہ نہیں لے سکتا۔ اور
غیب الغیب سے مطلع نہیں ہو سکتا۔

جاننا چاہیے کہ اس باقی ماندہ ظاہر کی تمام توجہ خلق کی طرف ہے۔ اور عبادات و طاعات شریعہ اس سے وابستہ ہیں
اور دعوت و تکمیل کا معاملہ اسی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس صاحب تکمیل عارف کا باطن خواہ وہ امکان کے مراتب سے
تعلق رکھتا ہو۔ اور خواہ مقامات و وجوب سے پھر بھی یہ ظاہر کی طرف متوجہ ہے۔ اور جس چیز کی طرف ظاہر توجہ کرتا ہے وہ

یہی اسی طرت منوجہ ہے۔ اس لئے کہ جلالت کی تقیم اور توحیت اور تکمیل ہو کیونکہ یہ جہان دار العمل ہے۔ اور یہ مقام دعوت کا مقام ہے۔ شہور اور مشاہدہ کی حقیقت آخرت میں سہر۔ اور کشف اور معاینہ کا معاملہ آگے جا کر ہے۔ اس مقام میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت معبود میں استغراق سے بہتر ہے۔ اور مطلوب کا انتظار جو کہ محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ مطلوب میں کم ہو جانے سے بہتر ہے۔ اہل شکر اس کا یقین کریں۔ یا نہ کریں۔

اور یہ ظاہر و باطن کی توجہ جو معرفت کامل مکمل کو مخلوق کی جانب پیدا ہوتی ہے۔ اس کا زمانہ موت آنے تک ہے۔ جو کہ دعوت کے مقام کی انتہا ہے۔ اور جب موت آگئی۔ تو موت کے بل سے اتر کر محبوب کے وصال کے کوچہ میں قدم رکھے گا۔ اور اغیار کی مزاحمت کے بغیر وصل و اتصال کی دولت سے مشرف ہوگا۔

هَيْثُ لَا رُبَّابِ النَّعِيمِ نَعِيمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمُسْكِينِ مَا يَجْتَمِعُ
اے ہمارے رب ہمارے نور کو پورا کر۔ اور میں بخش دے۔ یقیناً تو نہ ہر چیز پر قادر ہے۔ و الصلوٰۃ والسلام و اتیو
جو الکر علی خیر خلق اللہ علی اخوانہ الکرام و علی اکرم صعبہ العظام الی یوم القیام۔

مکتوب نمبر ۹۴

مولانا عبدالقادر انبالی کی طرت صادر فرمایا

فلو بقا کی حقیقت اور عدم کے عارف کی حقیقت و صورت سے الگ ہونے اور ہمسائیگی کی نسبت پہنچنے کے بیان میں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ

ممکنات کے حقائق اس فقیر کے علم میں جیسا کہ بعض مکاتیب میں لکھا ہے۔ عدالت سے عبرت ہیں۔ جو کہ اسرار و صفات الہی جل شانہ کی صورتِ علویہ کے عکوس کے ساتھ ہر نفس و شے کا منشا ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ وہ عدالت اجسام کے رنگ میں ہیں۔ اور وہ عکوس صورت کی طرح جو کہ اس ہیولی جسم میں حلول کئے ہوئے ہیں۔ عدالت کا شخص و تعین ان عکوس ظاہر سے ہے۔ اور ان عکوس کا قیام ان عدالت متغیر سے ہے۔ اور یہ قیام اس طرح کا نہیں ہے۔ جیسے عرض کا قیام جو ہر سے ہوتا ہے۔ بلکہ جیسے صورت کا قیام ہیولی (جسم) سے

۱۵ نعمت والوں کو نعمتیں مبارک ہو۔ اور عاشق مسکین کے لئے تو وہی ہے۔ جو گوشت، گوشت پریم ہے۔ ۱۶

ہوتا ہے اور جسم کے تشخص کو صورت سے وابستہ کرتے ہیں۔

اور جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سالک جبہ بقدر ہمارے ذہنی و جسمانی شانہ کی طرف توجہ مرکب سے متوجہ ہوتا ہے تو دم بدم ماسوا سے مزین ہوتا جاتا ہے۔ اور اسامہ و صفات الہی جن سلطانہ کے صوبہ علیہ کے عکس ہر وقت اس میں قوت و غلبہ پیدا کرتے جاتے ہیں۔ اور اپنے ساتھی پر جو کہ خدمات ہیں۔ غلبہ اور تسلط پاتے ہیں۔ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُونَ۔ (یقیناً اللہ تعالیٰ کا لشکر ہی غالب آنے والا ہے۔) پھر معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ کہ وہ عبادات جو عکس کے لئے ہیونی اور اصل کی طرح تھی۔ وہ پوشیدہ ہونے لگتے ہیں۔ بلکہ پورے طور پر سالک کی نگاہ سے مخفی ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ماسوا سے عکس اور خود اصول بھی اس کی نظر میں نہیں آتے۔ بلکہ عکس جو کہ اپنے اصول کے انجیز ہیں۔ یہی فقر سے مخفی ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ بکثرت کو پوشیدہ ہونے سے چارہ نہیں ہے۔

یہ مقام فنا کا مقام ہے۔ اور بہت بلند ہے۔ اور اگر اس فانی سالک کو بقا بخشیں۔ اور عالم میں واپس لائیں تو اپنے عدم کو باریک چھلکے کی طرح جو کہ بدن کی حفاظت کے لئے ہے۔ پانے لگا۔ اور قریب ہے۔ کہ بے انتہا ہے۔ مناسبی کی وجہ سے جو کہ اس نے عدم میں پیدا کی ہے۔ اس کو ان کے پیراہن سے تعبیر کرے۔ اور اسے اپنے آپ سے علیحدہ تصور کرے۔ لیکن حقیقت میں اس مقام میں عدم اس سے جدا نہیں ہوا ہے۔ بلکہ اس کی اناریں اس کے احتمالات میں داخل ہے۔

مختصر یہ کہ اس مقام میں عدم اس کا مغلوب و مستور جزو ہے۔ اور اس اصل سے جو وہ رکھتا تھا۔ نیچے اچکا ہے اور تابع ہو چکا ہے۔ بلکہ ان عکس کے قائم مقام ہے جو کہ اس کے ساتھ قیام رکھتے ہیں۔ اور یہ فقر اس مقام میں کئی سال تک رہا ہے۔ اور اپنے عدم کو بالوں کے پیراہن کی طرح اپنے سے علیحدہ پاتا تھا۔ اور این و آن کے بعد جب۔ بے انتہا عبادات خداوندی جل سلطانہ اس کے شامل حال ہوتی ہیں۔ تو وہ دیکھتا ہے۔ کہ وہ جزو مغلوب اس ترکیب سے علیحدہ ہو کر قدرت اختیار کر رہا ہے۔ اور وہ شخص جو ان عکس کے حصول سے اس نے پیدا کی تھی۔ ختم ہو جاتی ہے۔ اور عدم مطلق سے ملحق ہو جاتا ہے۔ اس طرح کہ جیسے ایک صورت کو ایک قالب پر شیک کرتے ہیں۔ اور اس کا قیام اس قالب سے ہوتا ہے۔ اور جب صورت درست ہو جاتی ہے۔ اور اس میں ثبات و وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے۔ تو اس قالب کو توڑ دیتے ہیں۔ اور اس کے قیام کو قالب سے علیحدہ کر لیتے ہیں۔ اور اسے بذات خود قائم کر لیتے ہیں۔

ادھر ہم جس بحث میں ہیں۔ یہ عکس جی جن کے ساتھ قیام رکھتے ہیں۔ اس فقر کی دریافت یہ ہے۔ کہ قیام بخود بلکہ باصول خود پیدا کرتے ہیں۔ اس وقت انا کے لفظ کا اطلاق ماسوا عکس اور ان عکس کے اصول کے اور کسی پر نہیں رہتا۔ اور عدمی جزو گویا کہ اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اور اس فقر کی دریافت یہ ہے۔ کہ اس مقام میں فنا کی حقیقت وہ صورت اختیار کرتی ہے۔ کہ پہلی فنا گویا کہ اس فنا کی شکل تصور۔ اور اس مقام سے جب بقا میں لاتے۔ اور عالم میں واپس

کرتے ہیں۔ تو اس عدم کو جو جبریت کی نسبت کی رکھتا تھا۔ اور اصل اور غلبہ اسی کا تھا۔ اسے واپس لاکر اس کا ہمستا اور سامعی بنادیتے ہیں۔ اور اس کی حقیقت و صورت سے الگ کر دیتے ہیں۔ اور اُنکے لفظ کے اطلاق سے باہر کر دیتے ہیں۔ اور حکمت اور مصلح کے سبب سے پھر اس کو اُن کے پیراہن کی شکل میں پہنا دیتے ہیں۔

اور اس حالت میں اگرچہ عدم کو واپس لے آئے ہیں۔ لیکن ان عکس کا قیام اس سے وابستہ نہیں کیا ہے بلکہ عدم کو ان عکس کے ساتھ قیام بخشا ہے۔ جیسا کہ پہلی بقائیں گزر چکا۔ پھر جب اس بقائیں یہ نسبت ہوگی۔ تو اس جگہ کہ بقا کی حقیقت ہے۔ یہ نسبت بروہا قائم حاصل ہوگی

خلاصہ کلام یہ کہ لباس کے بعد جامہ کو صاحب جامہ پر تاثیر ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر جامہ گرم ہے۔ تو پہننے والے کو گرمی سے متاثر کرے گا۔ اور اگر سرد ہے۔ تو سردی سے متاثر کرے گا۔ اور اسی طرح یہ عدم بھی جامہ کی مانند اپنے اندر ایک تاثیر رکھتا ہے۔ اور اس کا اثر تمام بدن میں سرایت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وہ یہ تو جانتا ہے۔ کہ یہ تاثیر اور سرایت بیحد ہے۔ نہ اندرونی اور عرضی ہے۔ نہ زرقاتی۔ اور وہ بیرونی عسلیہ کی طرف سے آتی ہے۔ نہ کہ اندرونی ہم جنس سے اگر شر اور نقص ہے۔ جو اس عدم سے پیدا ہوا ہے۔ تو بھی عارضی اور خارجی۔ نہ کہ ذاتی اور اصلی۔

اس مقام والا اگرچہ دوسرے لوگوں کے ساتھ بشریت میں مشدک رکھتا ہے۔ اور صفات بشریت کے صدور میں دوسروں کے ساتھ برہر ہے۔ لیکن اس سے اور اس کے ہم جنس لوگوں سے بشریت کی صفات کا ظہور عارضی ہے جو کہ ہماری کی طرف سے آیا ہے۔ اور دوسروں میں یہ ذاتی ہے۔ اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ عوام نے ظاہری مشدک کو ملاحظہ کیا۔ اور خواص بلکہ اخص خواص کو اپنی طرح تصور کیا۔ اور انکار و اعتراض کے مقام میں آگئے۔ اور محروم ہو گئے آیت کریمہ **فَقَالُوا أَتَشْتَرُونَ بِهَذَا ذُنُوبَكُمْ كَفَرُوا**۔ (سو کہنے لگے۔ کیا انسان ہمیں راہنما کریں گے۔ سو انہوں نے انکار کر دیا۔) اور یہ آیت بھی **وَقَالُوا مَا يَجْعَلُ آلَ رَسُولٍ فِي الْأَسْوَاقِ** (اور کہنے لگے یہ رسول کیسا ہے۔ کہ کھانا کھاتا ہے۔ اور بازاروں میں چلتا ہے) ان کے حال کا نشان ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جو کچھ بھی وہ صفات بشریت اپنے اندر دیکھتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ ان صفات کا حامل وہ ہماریہ عدم ہے جو کہ کئی طور پر بھاگ گیا ہے۔ اور سرایت کر گیا ہے۔ اور اپنے آپ کو پوری طرح ان صفات

سلسلہ معلوم ہوا کہ خواص اور اخص خواص کی ظاہری شکل و صورت دیکھ کر انہیں اپنی مانند تصور کرنا جہالت و نادانی ہے۔ کفار کو اسی غلطی میں مبتلا بننے۔ اسی بنا پر انھوں نے حضور کی نبوت کا انکار کیا۔ اپنی ناقبت بربادی اور محرومی کا دماغ سے کراہت میں غلہ کے مستحق قرار پائے۔ ۱۲

سے پلک و مبرا ہے۔ اور ان میں سے کچھ بھی اپنے اندر محسوس نہیں کرتا۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف اور اسی کا احسان ہے۔ یہ صفات جو مسابغی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ اس طرح کی ہوتی ہیں جیسے کوئی آدمی سرخ لباس پہنے ہوئے ہو تو لباس کی سرخی کی وجہ سے وہ سرخ نظر آتا ہے۔ یہ تو توں چونکہ تیز نہیں رکھتے۔ ہمسایہ کی سرخی کو اس شخص کی سرخی سمجھتے ہیں۔ اور غلامان، واقع حکم سے نیدت لرتے ہیں۔

ہر کس انسانہ بخواند انسانہ است فاکہ دیدش نقد خود مراد است

آب نیل است و بر قطعی خوں نو قوم موسیٰ روانہ خوں بود آب بود

اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد شرمناک کر دے۔ اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔

مکتوب نمبر ۹۵

مقصود علی تبریزی کی طرف ان کے سوال کفر حقیقی اور اسلام حقیقی کے جواب میں صادر فرمایا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى۔

آپ کا گرامی نامہ پہنچا۔ آپ نے صوفیاء کے بعض اقوال کے متعلق پوچھا ہے۔

میرے مفہوم اس پر چند کثرت و مقام گفتگو کا تقاضا نہیں کرتے لیکن سوال کا جواب دینے سے چارہ نہیں ہوتا۔ لہذا ضرورت کے مطابق چند کلمات لکھے ہیں۔ آپ کے تمام سوالوں کے حل میں مختصر طور پر کلام یہ ہے۔ کہ جس طرح شریعت میں کفر و اسلام ہے۔ طریقت میں بھی کفر و اسلام ثابت ہے۔ اور جس طرح شریعت میں کفر شرارت اور نقص ہے۔ اور اسلام کمال ہے۔ اسی طرح طریقت میں بھی کفر طریقت نقص ہے۔ اور اسلام طریقت کمال ہے۔ کفر طریقت حق ہے۔ مقام سے عبارت ہے۔ جو کہ پوشیدگی کا محل ہے۔ اور اس مقام میں حق و باطل کی تیز مفقود ہے۔

کیونکہ سالک کا مشہور اس مقام میں اچھے اور برے آئینوں میں وحدت محبوب کا جمال ہے۔ پس خیر و شر اور کمال

۱۔ جس کو انسان کہے وہ غرور انسانہ ہے۔ اور جس نے خفیت کو دیکھا وہ مرد ہے۔ ۱۲۰

۲۔ نیل کا پانی خالص برقیطیعی کو خون نظر آتا تھا۔ اور موسیٰ کی قوم کے لئے وہ خون تھا۔ بکریانی تھا۔ ۱۲۱۔

و نقص کو سوائے اس وحدت کے غلال و مظاہر کے اور کچھ نہیں پاتا تو لازمی طور پر الہ کی نظر جو تیز سے پیدا ہوتی ہے اس کے حق میں معدوم ہے۔ تو مجبوراً سب سے صلح کرتا ہے۔ اور سب کو مراد مستقیم پر پاتا ہے۔ اور اس آیت کی تفسیر کرتا ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ
کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کی پیشانی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں نہ ہو۔ یقیناً میرا رب سیدھے رستے پر ہے۔

اور کبھی وہ ظہر کو عین ظاہر سمجھتا ہے۔ منقوع کو زندہ جانتا ہے۔ اور پروردہ کو پالنے والا سمجھتا ہے۔ یہ تمام وہ پھول ہیں جو جمع کے نام سے پکارتے ہیں۔ منظور اس مقام میں کہتا ہے۔

كَفَرَتْ بَدِينِ اللَّهِ وَالْكَفَرُ دَاجِبٌ لَدَائِي دَعْنَا الْمُسْلِمِينَ قَسِيحٌ
نیرطریقت کا کفر شریعت کے کفر سے پوری مناسبت رکھتا ہے۔ اگرچہ شریعت کا کافر مردود ہے۔ اور سزا کا مستحق ہے۔ اور طریقت کا مقبول ہے۔ اور درجات کا مستحق ہے۔ کیونکہ کفر اور پوشیدگی محبوب حقیقی کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس نے محبوب کے سوا سب کو فزائوش کر دیا ہے۔ پس وہ مقبول ہوتا ہے۔ اور شریعت کا کفر جہالت اور سرکشی سے پیدا ہوتا ہے۔ تو وہ لازماً مردود ہے۔

اور طریقت کا اسلام مقام فرق بعد الجمع سے عبارت ہے۔ جو تیز کا مقام ہے۔ اس جگہ حق باطل سے اور خیر شر سے الگ الگ ہے۔ اس طریقت کے اسلام کو شریعت کے اسلام سے پوری مناسبت ہے۔ بلکہ جب شریعت کا اسلام اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔ تو اس اسلام سے اعتماد کی نسبت پیدا کر لیتا ہے۔ بلکہ دونوں اسلام شریعت کے اسلام میں ان میں فرق صرف ظاہر شریعت اور باطن شریعت اور اسی طرح صورت شریعت اور حقیقت شریعت کا ہے۔ کفر طریقت کا مرتبہ صورت شریعت کے اسلام سے بہت بلند ہے۔ اگرچہ وہ حقیقت شریعت کے اسلام سے بہت نیچے اور کمتر ہے۔

آسمان نسبت بعرش آمد فرد و درہ بس عالیست پیش خاک تو

مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم میں سے جس نے بھی شطیحات سے کلام کیا ہے۔ اور ظاہر شریعت کے مخالف باتیں کہی ہیں۔ وہ سب کفر طریقت کے مقام میں تھے۔ جو کہ سکر (مستی) اور بے اختیار کی کا مقام ہے۔ وہ بزرگ جو حقیقت

۱۵ سورہ ہود پارہ ۱۰

۱۵ میں نے اللہ کے دین کا کفر کیا۔ اور کفر میرے نزدیک واجب ہے۔ اور مسلمانوں کے نزدیک برا ہے۔ ۱۲

۱۵ آسمان عرش کی نسبت سے بہت نیچے ہے۔ اگرچہ وہ خاک کے تودے کے مقابل بہت بلند ہے۔ ۱۲

اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں وہ اس طرح کی باتوں سے بالکل پاک و صاف ہیں۔ اور ظاہر و باطن میں انبیاء کی اقتدا کرتے ہیں۔ اور انہی کے پیرو ہیں۔ علیم الصلوات والتسلیمات

پس وہ شخص جو شیطانیات سے گفتگو کرے۔ اور سب کے ساتھ صلح کے مقام میں ہو۔ اور سب کو صراطِ مستقیم پر سمجھے۔ اور خالق اور مخلوق میں تمیز ثابت نہ کرے۔ اور ان میں دونی کا فائل نہ ہو۔ اگر ایسا شخص مقامِ جمع میں پہنچا ہوا ہے۔ اور کفر طریقت سے متعلق ہو چکا ہے۔ اور دوسو کو بالکل بھول چکا ہے۔ تو وہ مقبول ہے۔ اور اس کی بائیں ٹھکڑے سے پیدا ہوئی ہیں۔ اور ان کا ظاہری مطلب نہیں یا جہنم کا۔ اور اگر وہ شخص اس حال کے حصول کے بغیر اور کمال کے پہلے درجہ میں پہنچنے کے بغیر اس طرح کی باتیں کرتا ہے۔ اور سب کو حق پر اور صراطِ مستقیم پر جانتا ہے۔ اور حق و باطل میں تمیز نہیں کرتا۔ تو وہ نذیق اور لمحد ہے۔ کہ اس کا مقصود شریعت کا ابطال ہے۔ اور اس کا مقصود انبیاء کی دعوت کو ختم کرنا ہے۔ جو کہ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں۔ علیم الصلوات والتسلیمات۔

پس یہ اختلافی کلمات حق و دالے سے صادر ہوتے ہیں۔ اور باطل دالے سے بھی حق دالے کے لئے آبِ حیات ہیں۔ اور باطل دالے کے لئے زہرِ قاتل۔ نبیل کے پانی کی طرح کہ بنی اسرائیل کے لئے وہ خوشگوار پانی تھا۔ اور قبلیوں کے لئے عینِ ننگوارہ مقامِ قدم پھیلنے کی جگہ ہے۔

مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت ان اکابرِ بابِ مکر کی تقلید میں سیدھے رستے سے بھٹک گئی ہے۔ اور گمراہی اور نقصان کے کوچہ میں جا پڑی ہے۔ اور انہوں نے اپنے دین کو برباد کر دیا ہے۔

ان کو یہ پتہ نہ چلا کہ ان باتوں کا قبول کرنا کچھ شرائط سے مشروط ہے۔ جو ابابِ مکر میں تو پائی جاتی ہیں۔ اور ان میں مفقود ہیں۔ ان شرائط میں سے سب سے بڑی شرط اللہ تعالیٰ کے سوا کو بھول جانا ہے جو کہ اس قبول کی دلیلی ہے۔ اور گمراہ اور حق پرست کے امتیاز کی دلیل شریعت پر استقامت اور عدم استقامت ہے۔ جو حق پرست ہے۔ وہ باوجود مکر اور بے قیامی کے شریعت کے خلاف بال برابر بھی نہیں کرتا۔ منصور باوجود انا نعت کہنے کے قید خانہ میں پاؤں میں بھاری زنجیریں ہوتے ہوئے بھی ہر رات پانچ سو رکعت نمازِ نفل ادا کرتا تھا۔ اور وہ کھانا جو قائلوں کے احقر سے آسمان پہنچتا تھا۔ اگرچہ وہ حلال وجہ سے تھا۔ نہیں کھاتا تھا۔

اور وہ جو باطل پرست ہے۔ اس کے لئے اسکا شریعت کی تعمیل ایک بھاری پہاڑ کی طرح ہے۔ یہ آیت کریمہ کج بؤ علی المشرکین مائدہ عو جم الیک۔ مشرکوں پر وہ چیز بڑی بوجھل ہے جس کی طرف آپ ان کو بلاتے ہیں۔ ان کے حال کا نشان ہے۔ اے ہمارے ربہ ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ اور ہمارے کام میں جلدانی پیدا کر۔ والسلام علی

اور یہ فکر اور احوال اور بے دینی ہے۔ اس قوی شبہ کا حل کیا ہے؟

جواب۔ جان لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے۔ اللہ سیدھے رستے کی راہ ہمتانی کرے۔ کہ یہ شبہ اور اس جیسے شبہ بھی کرجن کو ایک جماعت حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر وارد کرتی ہے۔ اور ان شکوک و شبہات سے ان کی تردید کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ انصاف پر آئیں۔ اور خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کو قبول کر لیں اور جان لیں کہ ان کے نفوس خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں ہوا ہو جس سے پاک ہو چکے تھے۔ اور ان کے سینے عداوت و کینہ سے صاف ہو چکے تھے۔ اور جان لیں کہ یہی لوگ ہیں اکابر دین اور کبرائے اسلام جنہوں نے اسلام کے کلہ کی بلندی اور سید الانام کی مدد میں اپنی طاقت صرف کی۔ اور اپنے مالوں کو کلمہ اسلام کی بلندی میں خرچ کیا۔ اور دین متین کی تائید میں دن میں اور رات میں پوشیدگی میں اور ظاہر میں مال لٹایا۔ اور اپنے قرابتداروں اور قبیلوں کو اور اولاد اور بیویوں کو اور اپنے وطنوں اور گھروں کو اور اپنے چشموں اور کھیتوں کو اور اپنے درختوں اور نہروں کو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سبب سے چھوڑ دیا۔ اور اپنے نفوس کی محبت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دی۔ اور رسول کی محبت کو اپنی محبت اور اپنی اولاد اور مالوں کی محبت پر ترجیح دی۔ اور یہی لوگ ہیں وحی اور فرشتوں کا مشاہدہ کرنے والے اور معجزات اور خوارق دیکھنے والے یہاں تک کہ ان کا غیب شہادت ہو گیا ہے۔ اور ان کا علم عین ہو چکا ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تعریف فرمائی ہے۔

وَصَيَّ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ
ذَلِكَ مَنَّ اللَّهُ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ

(اللہ ان سے خوش ہے۔ اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔)

(یہ ان کی مثال ہے۔ تورات اور انجیل میں)

یقیناً تمام صحابہ کرام ان بزرگوں میں شریک ہیں۔ اور اکابرین صحابہ جو کہ خلفائے راشدین ہیں۔ ان کی بزرگیاں کیا بیان کروں۔ یہی فاروق ہے۔ کہ خداوند تعالیٰ نے ان کی شان میں اپنے رسول سے فرمایا۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَاصْبِرْ أَبْعَاشَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ اسے نبی آپ کو اللہ کافی ہے۔ اور وہ لوگ کافی ہیں جنہوں نے ایمانداروں میں سے آپ کی پیروی کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ ہمہ کما اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا اسلام ہے۔

انصاف کی نظر حاصل ہونے کے بعد اور خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کے ثمرات کو قبول کرنے کے بعد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بلندی درجات اور بزرگیوں کو سمجھ لینے کے بعد وہ اعتراف کرنے والی جماعت اور شکوک پیدا کرنے والے لوگ۔ قریب ہے۔ ان شبہات کو مغالطوں اور حکمت کی غلط باتوں کو طبع کی ہموالی چیز کی طرح دکھائیں اور ان کو اعتبار کے درجہ سے ماقط کریں۔ اگرچہ وہ غلط مادہ کو ان شبہات میں تشخیص نہ کریں اور عقل

مکتوب نمبر ۹۶

خواجہ ابوالحسن بہا بدخشی الکاشفی کی طرف صادر فرمایا۔

اس سوال کے جواب میں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں کاغذ طلب فرمایا۔ تاکہ کوئی چیز لکھیں۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ کچھ وجوہات کی بنا پر اس سے روک دیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

سوال :- خاتم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام والتبیین نے مرض الموت میں کاغذ طلب کیا۔ اور فرمایا۔ اِیْتُوْنِیْ بِیَوْمِ طَایْسٍ اَکْتُبْ لَّکُمْ کِتَابًا لَّنْ تَقْرَؤُوْا بَعْدَیْ۔ (کہ میرے پاس کاغذ لادو میں تمہیں کچھ لکھ دوں کہ تم میرے بعد گرواؤ ہو۔) اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ کاغذ لانے سے منع کر دیا۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰهِ (ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔) اور یہ بھی فرمایا۔ اَفْجَعَالٌ سَتَقْفُوْهُ (آپ بیماری کی پیوستگی میں باتیں کر رہے ہیں۔ تحقیق کرو۔) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا دَخُوْیٌ فِیْ سُوْحٰی۔ (وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ وہ وحی بولتے ہے۔ جو ان کی طرف کی جاتی ہے، اور وحی کی تردید اور اس سے روکنا کفر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَنْ لَّمْ یُحْکَمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْاَکْثَرُ ذٰلِقِیْنِ۔) (اور جو اللہ کے آواز سے ہونے کے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں۔ وہ کالہ ہیں۔) اور پھر یہ بھی ہے۔ کہ پیغمبر پر ہدیان اور جو کچھ تجویز کرنا اس کی شریعت کے احکام سے اعتقاد رافع کرنے کو مستلزم ہے

۱۱ مشکوٰۃ شریف بحوالہ بخاری و مسلم۔

۱۲ مشکوٰۃ شریف۔

۱۳ سورہ فجر پارہ ۱۲ خطبہ

۱۴ سورہ بقرہ پارہ ۶۔ ۷

کی غلط باتوں کے محل متعین نہ کریں۔ تو کم از کم شانکداس قند جان لیں کہ ان شکوک کا نتیجہ اور ان شبہات کا حاصل بے فائدہ ہے۔ بلکہ بجا بہت اور ضرورت اسلامیہ سے ٹکری لینے والا ہے۔ اور کتاب و سنت کی رو سے مردود و مطرود ہے اس کے باوجود اس سوال کے جواب میں اور اس شبہ کے غلط مواد کی تعلیمین میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے چند مقدمے لکھے جاتے ہیں۔ ان کو سنیں ان اشکال کا پورا پورا حل چند ایک مقدمات پر مبنی ہے۔ اگرچہ ہر مقدمہ ایک عقیدہ و جواب بھی ہے۔

پہلا مقدمہ یہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام معقولات اور منطوقات وحی کے ذریعہ نہ ہوتے تھے۔ اور آیت کریمہ *وَمَا يَتَّبِعُكَ مِنْ يَدَايِهِمْ* اپنی خواہش سے نہیں پرتے۔ یہ قرآنی لفظ کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ اہل تفسیر نے اس کو بیان کیا ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام کہی باتیں وحی کے مطابق ہوتیں تو آپ کے بعض کلام پر اعتراض وارد نہ ہوتے۔ اور ان سے معافی کی گنجائش نہ ہوتی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے *عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَكَ*۔ (اللہ نے آپ کو معاف کیا آپ نے ان کو کیوں اجازت دی۔)

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ اجتہادی احکام اور امور عقلیہ میں جو جب آیت کریمہ *فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ* سے آنکھوں والو سمجھت حاصل کرو اور آیات *وَشَاوِذُهُمْ فِي الْأُمُورِ*۔ (اور ان سے اپنے امور میں مشو کرو۔) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی گنجائش تھی۔ اور ان میں رد و بدل کی مجال تھی کیونکہ قیاس کا امر اور مشورہ کا امر رد و بدل حاصل ہو سکتے۔ بغیر کوئی صورت نہیں رکھتا۔ اور بدر کے قیدیوں کے فدیہ اور قتل کے متعلق جو اختلاف واقع ہوا تھا۔ اور حضرت فاروق نے ان کے قتل کا فیصلہ کیا تھا۔ تو وحی فاروق کی رائے کے مطابق آئی۔ اور فدیہ لینے پر وعید نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے عمر اور سعد بن معاذ کے اور کوئی نجات نہ پاتا۔ کیونکہ حضرت سعد نے بھی ان قیدیوں کے قتل کا اشارہ کیا تھا۔

تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ سہو اور نسیان پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جائز ہے۔ بلکہ واقع ہے۔ ذوالیدین کی حد میں آیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعت والی فرض نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ تو ذوالیدین نے عرض کیا۔ *أَفَجَرَكِ الصَّلَاةُ أَهْلَسِيَّتِ يَا رَسُولَ اللَّهِ*۔ (کیا نماز کم ہو گئی ہے۔ یا اے اللہ کے رسول آپ بھول گئے ہیں۔ تو ذوالیدین کی بات کے سچا ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ اور دو رکعت اور ان کے ساتھ ملائیں۔ اور سجدہ سہو کیا۔

چہاں سہو اور نسیان صحت اور فراغت کی حالت میں بر تقاضائے بشریت جائز ہو۔ تو مرض الموت میں درد کے غلبہ کے وقت بر تقاضائے بشریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے قصد اور بے اختیار کلام کا صدور کیوں کر

جائز نہ ہوگا۔ اور احکام شرعیہ سے اعتقاد کیوں الٹ جائے گا۔ کیوں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ پر یقینی وحی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہولت نسیان پر اطلاق فرمادیتا تھا۔ اور درست کو غلط سے الگ کرتا۔ کیونکہ غلطی پر نبی اکرمؐ رہتا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ احکام شرعیہ سے رفع اعتقاد کو مستلزم ہے۔ پس ثابت ہوا کہ محض سہولت نسیان احکام شرعیہ سے رفع اعتقاد کا موجب نہیں ہے۔ بلکہ سہولت نسیان پر قائم رہنا رفع اعتقاد کو مستلزم ہے۔ اور یہ تو طے شدہ چیز ہے کہ اس پر قائم رہنا جائز نہیں ہے۔

چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ حضرت فاروق بلکہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو کتاب و سنت میں جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ اور وہ حدیثیں جو کہ خاص طور پر ان کو جنت کی بشارت کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ وہ اپنے معتبر ہونا کی کثرت کے سبب حدیث شریعت بلکہ معنی سجدہ تواضع کو پہنچی ہوئی ہیں۔ ان کا انکار یا توجہ الٹ کی بنا پر ہے۔ اور یا عباد کی بنا پر صحیح اور حسن حدیثوں کے راوی اہل سنت ہیں۔ جنہوں نے اپنے اساتذہ معجلہ و تابعین سے ان کو روایت کیا ہے اور تمام مخالف فرقوں کے رواۃ کو اگر اکٹھا کریں۔ تو معلوم نہیں کہ اہل سنت راویوں کے عشر عشر کو بھی پہنچیں۔ جیسا کہ منصف جستجو کرنے والے اور تلاش کرنے والے پر مخفی نہیں ہے۔

اور اہل سنت کی احادیث کی کتابیں ان اکابرین کو جنت کی بشارت سے بھری پڑی ہیں۔ اور اگر بعض مخالف فرقوں کی کتب احادیث نے ان کی بشارت کو روایت نہیں کیا ہے۔ تو غم نہیں ہے۔ کہ بشارت کی روایت کا نہ ہونا عدم بشارت پر دلالت نہیں کرتا۔ لیکن ان اکابر کو جنت کی بشارت کا ثبوت تو قرآن مجید ہی سے کافی ہے۔ اور وہ کافی آیات ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَعَدَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا
ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ
لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ آمَنَ مِنْ قَبْلِ
الْفَتْحِ وَذَٰلِكَ أُولَٰئِكَ الْأَعْظَمُ دَرَجَةً مِنْ

اور سبقت کرنے والے پہلے مہاجرین اور انصار اور وہ جو
جنہوں نے ان کی اچھی طرح پیروی کی۔ اللہ ان سے خوش ہوا۔
اور وہ اللہ سے خوش ہوئے۔ اور ان کے لئے بارخیزاں ہیں
جہن کے نیچے نہریں چلتی ہیں۔ اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے
ہیں۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ میری امت پر
تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے ایمان لایا تھا
اور جنگیں لڑیں۔ برابر نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی نسبت بہت بڑے

الَّذِينَ اتَّقَوْا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ أُولَٰئِكَ
وَعَدَ اللَّهُ الْخَيْرَ

درجے والے ہیں جنہوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور
لڑائی کی اور ہر ایک سے اللہ نے اچھا وعدہ کیا ہے۔

جب کہ تمام صحابہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اور فتح مکہ کے بعد خرچ کیا۔ اور لڑائی کی ہے۔ ان کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ تو پھر اکابر صحابہ کے متعلق جنہوں نے خرچ کرنے میں اور لڑائی اور ہجرت کرنے میں بہت زیادہ سبقت کی ہے۔ کیا کہا جائے گا۔ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ اور ان کے درجات کی بڑائی کو کیسے ختم کیا جاسکتا ہے۔ کہ وہ کیا ہیں۔ اہل تفسیر نے کہا۔ کہ یہ آیت کریمہ لایستوی الا یہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جو کہ سابق سابقین ہیں۔ باخلاق اور متقاہم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَقَدْ دَرَسْنِي اللَّهُ عَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ الشَّجَرَةَ (یقیناً اللہ تعالیٰ ایمانداروں سے خوش ہوئے۔ جب کہ وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔)

امام معی السنۃ الرفیعی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ان لوگوں میں سے ایک بھی دوزخ میں نہ جائے گا۔ جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے۔ اور اس کو بیعت الرضوان کہتے ہیں۔ کیونکہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اس قوم سے خوش ہوا۔ اور اس میں شک نہیں ہے۔ کہ ایسے آدمی کو کافر کہنا جسے کتاب و سنت سے بہشت کی بشارت مل چکی ہو۔ خود بدترین قسم کا کفر ہے۔

اور اپنا پھان مقدس یہ ہے۔ کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کاغذ لانے میں توقف کرنا رد الکار کی وجہ سے نہ تھا۔ اس سے اللہ کی پناہ اس طرح کی ہے۔ ابی اس پیغمبر کے وزیروں اور ہم نشینوں سے کیسے سزا ہو سکتی ہے جو خلق عظیم سے متعطف ہے۔ بلکہ کسی اپنی صحابی سے جو کہ ایک یا دو بار صحبت خیر البشر سے مشرف ہوا ہو۔ اس معنی کی توقع نہیں ہو سکتی۔ بلکہ آپ کی امت کے عوام سے بھی جو کہ اسلام کی دولت سے سعادت مند ہوئے ہیں۔ اس قسم کے رد و انفار کا دم بھی نہیں ہو سکتا۔ پھر اس آدمی سے کیسے یہ خیال ہو سکتا ہے۔ جو اکابر و فدا و فدا سے ہو۔ اور اعظم مہاجرین اور انصاف سے ہو۔

حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ انصاف عطا فرمائے۔ کہ اکابر دین کے ساتھ اس قسم کی بدعتی نہ کریں۔ اور بے رحمی سے ہر کلمہ اور کلام پر مواخذہ نہ کریں۔ بلکہ حضرت فاروق کا مقصد سمجھنا اور استفسار کرنا تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ اِسْتَفْهِمُوْهُ یعنی اگر آپ اہتمام و اصرار سے کاغذ طلب فرمائیں۔ تو دے دیا جائے۔ اور اگر اس معاملہ میں اصرار نہ کریں۔ تو ایسے ناک وقت میں ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ کیونکہ اگر انہوں نے دمی یا حکماً کاغذ طلب کیا ہوگا۔ تو کب اور بالندہ سے کاغذ طلب

کریں گے۔ اور جو ان کو حکم ہوا ہے۔ وہ مکھیں گے۔ کہ وہی کی تبلیغ نبی پر واجب ہے۔ اور اگر یہ طلب وہی کی بنا پر یا حکما نہیں ہے۔ بلکہ آپ چاہتے ہیں کہ اپنے اجتہاد و فکر سے کوئی چیز میں لکھو دیں تو وقت اس کی موافقت نہیں کرتا اجتہاد کا مرتبہ تو آپ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے آپ کی امت کے استنباط کرنے والے کتاب اللہ سے جو دین کا اصل الاصول ہے۔ احکام اجتہاد کا استنباط کریں گے۔

اور جب کہ آنحضرت کی موجودگی میں ہو کہ نزول وہی کا وقت ہے۔ اجتہاد کرنے والوں کے استنباط کی گنجائش ہے تو آپ کے انتقال سے بعد ہو کہ انقطاع وہی کا زمانہ ہوگا۔ بطریق اوسلے اہل علم کا اجتہاد و استنباط مقبول ہوگا۔ اور جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں اصرار و اہتمام نہ کیا۔ بلکہ اس امر سے منہ پھیر لیا۔ تو معلوم ہو گیا کہ وہ وہی کے ذریعہ نہ تھا۔

اور وہ تو وقت جو صرف استفسار کی بنا پر سو رہا نہیں ہے۔ ملائکہ کرام نے بھی آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلافت کی وجہ معلوم اور دریافت کرنے کے لئے عرض کیا تھا۔

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ
الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ
نُقَدِّسُ لَكَ۔

کیا آپ اس (زمین) میں ایسے آدمی کو پیدا کریں گے جو اس میں فساد کرے۔ اور خون بریزی کرے۔ اور ہم تیری تعریف کی تیسبح کرتے ہیں۔ اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔

اور حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کی بشارت کے وقت فرمایا۔

أَتَى يَكُونُ لِي غَلَامٌ وَكَانَتْ أَهْلًا فِي عَادَتِهِ
وَقَدْ بَلَغْتَ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا۔

میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا۔ حالانکہ میری بڑی باخوبی ہے۔ اور میں بڑھاپے کی آخری حد کو پہنچ چکا ہوں۔

اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے کیا تھا۔

أَتَى يَكُونُ لِي غَلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ
وَلَمْ أَكُ يَتِيمًا۔

میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا۔ حالانکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔

اور حضرت فاروق نے بھی استفہام کی بنا پر کاغذ لانے میں توقف کیا ہو تو اس میں کیا حرج ہے۔ اور کیا شور و شر

ہے۔

اور چھٹا مقدمہ یہ ہے کہ آنحضرت کے صحابہ کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے حسن ظن کی ضرورت ہے۔ اور یہ جانتا چاہیے کہ بہترین زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا۔ اور آپ کے صحابہ کرام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد بنی آدم میں سے بہترین انسان ہیں۔ اور جو لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد بہترین بنی آدم ہوں۔ وہ امر باطل پر اجماع نہیں کر سکتے۔ اور خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین کا فر اور فاسق لوگ نہیں بنائے جاسکتے۔ اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ صحابہ کرام بہترین بنی آدم ہیں۔ یہ اس لئے کہا ہے کہ یہ امت قرآنی نص کی بنا پر خیر الامم ہے۔ اور اس امت میں سے بہترین وہی لوگ ہیں۔ کیونکہ کوئی ولی بھی کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

پس فقہر اس انصاف کرنا چاہیے۔ اور سمجھنا چاہیے۔ کہ اگر حضرت فاروق کا کاغذ لانے سے روکنا کفر ہوتا۔ تو حضرت صدیق اکبر جو کہ قرآنی نص کی بنا پر اس بہترین امت میں سے پرہیزگار ترین انسان تھے۔ وہ آپ کی خلافت کی تصریح نہ کرتے۔ اور ہمارے جین و الفار کہ حضرت سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے قرآن مجید میں ان کی تعریف و ثناء فرمائی ہے۔ اور ان سے راضی ہوا ہے۔ اور ان کو جنت کا وعدہ دیا ہے۔ یہ لوگ آپ سے بیعت نہ کرتے۔ اور انہیں پیغمبر کا جانشین نہ بناتے۔

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حسن ظن جو کہ محبت کا مقدمہ ہے۔ حاصل ہوا تو اس قسم کے شبہات کی مزاحمت سے نجات میسر ہو گئی۔ اور ایسے اعتراضات کا بطلان عقل سے معلوم ہو گیا۔ اور اگر معاذ اللہ آپ کی صحبت اور آپ کے صحابہ کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ حسن ظن پیدا نہ ہو۔ اور بدگمانی پیدا ہو۔ تو یہ بدگمانی لازمی طور پر اس صحبت و انس اور ان صحابہ و انس تک جس پہنچے گی بلکہ ان کے اصل مالک (خدا تعالیٰ) تک بھی جانے گی۔ اس امر کی برائی کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ جو آدمی صحابہ کرام کی تعظیم نہ کرے۔ اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کوئی ایمان نہیں ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی شان میں فرمایا ہے۔

فَمَنْ أَحْبَبَهُمْ فَيُحِبِّي أَحِبَّهُمْ وَ مَنْ
أَبْغَضَهُمْ فَيَبْغِضِي أَبْغَضَهُمْ۔
جس نے ان سے محبت کی۔ تو میری محبت کی وجہ سے
سے محبت کی۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا تو اس نے میرے
بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا

پس صحابہ کرام کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو مستلزم ہے۔ اور صحابہ کرام سے بغض اور دشمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کو مستلزم ہے۔

اور جب یہ مقدمات معلوم ہو گئے۔ تو اس شبہ اور اس جیسے اور شبہات کا جواب بے تکلف حاصل ہوا۔ بلکہ بہت سے جواب حاصل ہو گئے۔ کیونکہ ان مقدمات میں سے ہر ایک مقدمہ کے حعلق کہا جاسکتا ہے۔ کہ وہ ایک مستقل اور معقول جواب ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ اور ان مقدمات کا مجموعہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس شبہ کے نپا بلکہ کو ختم کرتا ہے۔ اور ایسے اعتراضات کے دفعیہ میں دلیل سے گزر کر فراست میں سے آتا ہے جیسا کہ ایک عقلمند اور منصف آدمی پر متفق نہیں ہے۔ فراست لفظ کو احتیاطاً زبان پر لایا ہوں۔ ورنہ ایسے اعتراضات کا بطلان بالبدیہ ہی ہے۔ اور وہ مقدمے جو ان شبہات کے بطلان کے بیان میں لائے گئے ہیں۔ وہ اس بڑا بہت بندہ بات کے قیاس سے ہیں۔

بلکہ اس قسم کے شبہات اور اعتراضات کی مثال اس فقیر کے نزدیک ایسی ہے کہ کوئی صاحب فن شخص بیوقوفوں کی جماعت میں آئے۔ اور ایک پتھر کو حوان کو پتھر محسوس ہوتا ہے۔ اپنے دلائل کی بنا پر سونا ثابت کرے۔ اور یہ بے چارے چونکہ اس کے ملمع شدہ دلائل کی مداخلت سے عاجز ہیں۔ اور ان دلائل کے غلط مواد کی تعین سے قاصر ہیں۔ تو وہ بے چارے شبہ میں پڑ جاتے ہیں۔ بلکہ اس پتھر کے سونا ہونے کا یقین کر لیتے ہیں۔ اپنی حش کو فراموش کر دیتے ہیں۔ بلکہ اپنی حش کو متم کرتے ہیں۔

کوئی عقلمند ایسا ہونا چاہیے۔ کہ ان میں حش کی بڑا بہت پر اعتماد پیدا کرے۔ اور ملمع شدہ مقدمات کو متم کرے اور جو معاملہ عین درپیش ہے۔ اس میں بھی خلفائے ثلاثہ بلکہ حضرت خیر البشر علیہ السلام کے تمام صحابہ کی بزرگی اور ہندی درجات بر مقتضائے کتاب و سنت محسوس و مشاہد ہے۔ ان بزرگوں پر جرح و قدح کرنے والے اپنے ملمع شدہ دلائل سے ان میں طعنہ زنی و قدح کرتے ہیں۔ اور صحابہ کرام کے متعلق وہ طعنہ زنی اس پتھر کی طرح ہے۔ جسے وہ سونا بنا کر دکھاتے ہیں۔ اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ اسے ہمارے رب ہمارے دلوں کو تباہ دینے کے بعد شیر خوار کر دے۔ اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ یقیناً تو سی عنایت کرنے والا ہے۔ اسے کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ ان اکابر دین پر سب و شتم اور اسلام کے کبرا پر طعنہ زنی پر ان لوگوں کو کس چیز نے آمادہ کیا ہے۔ اور کسی کافر اور فاسق پر جس طعنہ زنی اور گالی گلوچ شریعت میں سخت کا وسیلہ اور فضیلت اور بزرگی اور عبادت میں نہیں شمار کیا جاتا۔ پھر ان مادیان دین پر سب و شتم کرنا اور ان حامیان اسلام پر طعنہ زنی کرنا کیسے عبادت ہو سکتا ہے۔ اور شریعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر بھی مثلاً ابو جہل اور ابو لہب پر بھی گالی گلوچ کرنا اور طعنہ زنی کرنا اور نہیں ہو سکتا۔ اور نہ یہ کرامت و عبادت شمار کیا گیا ہے۔ بلکہ ان سے اور ان کے احوال سے اعراض کرنا اور خاموش رہنا بے مقصد کاموں میں مشغول ہونے اور وقت ضائع کرنے سے زیادہ بہتر اور مناسب ہے

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ
وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَنْهَا كَافُوًا
یَعْمَلُونَ۔
یہ ایک امت تھی جو گزر چکی۔ اس کے لئے اس کی کمائی ہے۔
اور تمہارے لئے تمہاری کمائی اور تم سے ان کے اعمال کی
بلز پرس نہ ہوگی۔

حضرت سبحانہ و تعالیٰ قرآن مجید میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق وَجَّاهُ بَيْنَهُمْ
(اوپس میں) مہربان فرماتا ہے پس ان بزرگواروں کے حق میں ایک دوسرے سے عداوت و کینہ رکھنے کا گمان کرنا نص قرآن
کے برخلاف ہے۔

اور یہ بھی قابلِ غور ہے کہ ان بزرگواروں میں کینہ و عداوت کا اثبات ہو تو فریقین پر طعنہ زنی ہوگی۔ اور دونوں جماعتوں
سے امان لٹ جائے گا۔ پس لازم آئے گا کہ صحابہ کرام میں سے دونوں فریقِ مطعون ہوں۔ اس عقیدہ سے اللہ تعالیٰ
کی پناہ۔ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلامات کے بعد بہترین نبی آدم بدترین آدمی عشریں گئے۔ اور بہترین زمانہ
بدترین زمانہ ہوگا کیوں کہ اس زمانہ کے تمام آدمی کینہ اور عداوت سے متصف ہوں گے۔ اور کوئی مسلمان بھی اس
امر کی برکت نہیں کر سکتا۔ اور اس چیز کو قبول نہیں کر سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کیا بزرگی باقی رہ گئی۔ کہ تینوں خلیفے
رضی اللہ عنہم اگر ان کے دشمن ہوں۔ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی درپردہ ان سے عداوت ہوگی۔ اور یہ خود
طرفین میں جرحِ قدح ہے۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ شہرِ شکر کی طرح کیوں نہ رہیں۔ اور ایک دوسرے کی محبت
میں غرق کیوں نہ ہوں۔

خلافت کا معاملہ ان بزرگواروں کے نزدیک پسندیدہ اور مرغوب طبع نہ تھا۔ کہ ان کے کینہ اور عداوت کا سبب
ہوتا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے اَقْبَلُوْنِي (مجھے محبت سے الگ کر دو) کے الفاظ مشہور و معروف ہیں۔ اور حضرت عمر
رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ اگر کوئی طریقہ پیدا ہو تو میں خلافت کو ایک دینار میں فروخت کر دوں۔ اور حضرت
علی رضی اللہ عنہ نے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگیں لڑی ہیں۔ تو وہ خلافت کے پسند طبع ہونے
کے لئے نہیں لڑیں۔ بلکہ وہ باغیوں کے ساتھ لڑائی کرنا فرض سمجھتے تھے۔ اور ان کی مدافعت کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے
فَقَاتِلُوا اِلَیَّ تَبِیْ حَتّٰی تَقِیَ اِلَیَّ اَمِیْرٌ
سوف اس جماعت سے لڑو۔ جو بغاوت کرتی ہے۔ یہاں تک
کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔
اللہ۔

خلاصہ کلام۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے والے اپنے پاس تاویل رکھتے ہیں اور صاحب راستے واجتہاد ہیں۔ اگرچہ وہ اس اجتہاد میں خطا پر یوں پھر بھی وہ طعن و ملامت اور تفسیق و تکفیر کے مستحق نہیں ہیں حضرت امیر علی رضی اللہ عنہ ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ وہ ہمارے بھائی ہیں۔ انہوں نے ہم پر بغاوت کی ہے۔ نہ تو وہ کافر ہیں۔ نہ فاسق۔ اس لئے کہ ان کے پاس تاویل ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ۶۰ برس پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے کہ یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے باغوں کو پاک رکھا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبانیں بھی بچا کر رکھیں۔ اسے ہمارے رب ہمیں بھی بخش۔ اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان کی حالت میں گزر گئے۔ اور ہمارے دلوں میں ایلمدادوں کے لئے کینہ نہ رکھیں تاؤ شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ والصلوة والسلام علی سید الانام و علی واکرو اصحابہ الکرام الی یوم القیام

مکتوب نمبر ۹۷

خواجہ ہاشم کشمی کی طرف صادر فرمایا

(ان کے اس سوال کے جواب میں جن میں انہوں نے چھٹے مکتوب کے محل کی درخواست کی تھی۔)
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الْکَرِیْمِْنَ اَصْطَفٰی۔

آپ نے سوال کیا ہے۔ کہ اس عہدت کا کیا مطلب ہے۔ جو مکتوب ششم میں واقع ہے۔
میں خیال کرتا ہوں۔ کہ میرے پیدا ہونے کا مقصد یہ ہے۔ کہ ولایت محمدی ولایت ابراہیمی علیہم الصلوٰت و التسلیمات کے رنگ میں رنگی جائے۔ اور اس ولایت کی ملاحت (لکینی) اس ولایت کی صباحت (سفیدی) سے مل جائے۔ اور رنگینی اور امتزاج سے مجموعیت محمدیہ کا مقام بلند سے بلند تر ہو جائے۔

جانتا چاہیے۔ کہ ولایتی (راہنمائی) اور مشعلی (راکش کرنا) کا منصب منع اور ناجائز نہیں ہے۔ ولایت اپنے قرن ولایت کی خوبی کی وجہ سے دو صاحب جمال و کمال کو آپس میں ملاتی ہے۔ اور ہر ایک کے حسن کو دوسرے کے قریب کرتا ہے۔ یہ اس کی انتہائی خدمت گزاری ہے۔ اور اس لحاظ سے اس کی سعادت اور بزرگی اتنا کچھ نہیں ہے۔ اور اس سے ان دونوں صاحب جمال کی شان میں کوئی نقص اور قصور لازم نہیں آتا۔ اور اسی طرح اگر مشعلی دکھا کر ان دونوں صاحب جمال کے حسن و کمال کو بڑھاتی ہے۔ اور ایک نئی تازگی اور زینت پیدا کرتی ہے۔ تو یہ اس کی سعادت و شرافت

ہے۔ اور ان میں کوئی قصور لازم نہیں آتا ہے۔

اِنَّ طَرَفَ نَذِيرِ کَمَالٍ تَوَقُّصٌ فِی طَرَفِ شَرَفِ رُزْغَارِ مَن بَاشَد

مختصر یہ کہ وہ نفع یا فائدہ جو صاحب دولت لوگوں کو غلاموں اور خادموں کی راہ سے میسر ہوتا ہے۔ وہ ممنوع اور ناجائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ قصور اور نقصان کو مستلزم نہیں ہے۔ بلکہ صاحب دولت لوگوں کا کمال غلاموں اور خادموں کی خدمت میں ہے۔ وہ بد نصیب ہوتا ہے جو غلاموں سے نفع نہ اٹھائے۔ اپنے برابر کے لوگوں سے فائدہ حاصل کرنا نقصان ہے۔ اور اپنے ہمسر لوگوں سے استمداد و استفادہ قصور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ** اے نبی تجھے اللہ تعالیٰ اور آپ پر ایمان لانے والے سب کے لیے کافی ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اسلام ہے۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ چھوٹوں اور بڑوں کے خدمات بڑے لوگوں کے مرتبہ میں بزرگی پیدا کرتی ہیں۔ اور اگر بزرگی بات بھی کسی کی سمجھ میں نہ آئے۔ تو عبادت کا کیا تصور ہے۔ بادشاہ اور امرا اپنی توبہ و توبہ و توبہ اور تسلط میں غلاموں اور نوکروں کے محتاج ہیں۔ اور اپنے کمالات کو ان سے وابستہ سمجھتے ہیں۔ اور اس معنی سے کوئی نقصان اور قصور ان کی شان میں پیدا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ہر چھوٹے اور بڑے کو معلوم ہے۔

اس شبہ کا سبب چھوٹے اور بڑے سے فائدہ اور نفع اٹھانے میں امتیاز نہ کرنا ہے۔ اور اب یہ تو ظاہر ہے کہ چھوٹے سے نفع لینا کمال بخش ہے۔ اور بڑے سے فائدہ لینا نقصان پیدا کرتا ہے۔ پس پہلا جائز ہوگا۔ اور دوسرا منع اور اللہ تعالیٰ ہی درست بات کا اہام کرنے والا ہے۔ اسے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ اور ہمارے کام میں پہلانی پر اگر والسلام علی من اتبع الهدی

مکتوب نمبر ۹۸

حضرات مخدوم زادگان جامع الاسرار والعلوم خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم مدظلہما کی طرف صادر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کائنات کے قرب و میعت کے میلان میں اور عدم کی شرارت اور ابلیس علیہ اللعنة

اس طرف تیرے کمال میں تو کوئی نقصان پیدا نہیں ہوتا۔ اور اس طرف میرے کاروبار میں بزرگی پیدا ہو جائے گی۔ ۱۲

کی شہرت میں کیا فرق ہے

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفٰی۔

سوال :- آپ نے سوال کیا ہے۔ کہ علامہ نے کہا ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے تو عالم میں داخل ہے اور نہ عالم سے خارج اور نہ عالم سے منسل ہے۔ اور نہ اس سے الگ اس بحث کی تحقیق کیا ہے؟

جواب :- اس دخول اور خروج اور اتصال اور انفصال کی نسبت کا حصول دو موجود کے تصور پر موقوف ہے۔ کیونکہ ایک موجود دوسرے موجود کے لحاظ سے اس نسبت سے خالی نہیں ہے۔ اور جس بحث میں ہم ہیں ہاں دو موجود ہی نہیں ہیں۔ تاکہ اس نسبت کا حصول تصور میں آسکے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ موجود ہے۔ اور کائنات جو اس کے ہوا ہے۔ وہ موجود اور متبیل ہے۔ اگرچہ عالم نے خدا تعالیٰ کی پیدائش سے استواری اور مقبوضی اس طرح کی پیدا کر لی ہے۔ کہ وہم اور خیال کے نازل کرنے سے زائل نہیں ہوتی۔ اور ابدی نعمت اور عذاب کا معاملہ اس کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ لیکن اس کا ثبوت مرتبہ حق اور وہم میں ہے۔ اور حق اور وہم سے باہر اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہاں تعالیٰ کی کمال قدرت ہے۔ کہ اس نے موجود و متبیل کو ثبات و استقرار کے حق میں موجود کا حکم عطا فرمایا ہے۔ اور اس پر موجود کے احکام جاری کئے ہیں۔ لیکن پھر بھی موجود موجود ہے۔ اور وہم وہم ہے۔

اگرچہ ظاہر میں وہم کو اس کے ثبات و استقرار کو دیکھتے ہوئے موجود تصور کرتے ہیں۔ اور وہ موجود جانتے ہیں۔ اور اس معنی کی تحقیق اپنی کتابوں اور رسالوں میں تفصیل سے لکھی ہے۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو ان کی طرف رجوع کریں۔ پس موجود کو وہم کی نسبت سے ان نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہ ہوگی۔ کہا جا سکتا ہے۔ کہ موجود نہ تو وہم میں داخل ہے۔ نہ اس سے خارج اور نہ وہم سے اتصال رکھتا ہے۔ اور نہ انفصال اس لئے کہ جہاں موجود ہوگا۔ وہاں وہم کا نام و نشان نہیں ہے۔ تاکہ اس کے ساتھ کسی نسبت کا تصور پیدا کر سکے۔ اس بحث کو ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ ایک پکڑ لگانے والا روشن نقطہ جو اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے دائرہ کی صورت میں متوہم ہوتا ہے۔ اور اس جگہ موجود صرف ایک نقطہ ہی ہے۔ اور دائرہ کی صورت کا وہم کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کیونکہ موجود صرف نقطہ ہے۔ اور دائرہ وہم کا اس جگہ کوئی نام و نشان نہیں ہے اس صورت میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ نقطہ دائرہ میں داخل ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ دائرہ سے خارج ہے۔ اور اسی طرح ان میں اتصال اور انفصال کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس مرتبہ میں دائرہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے تاکہ کوئی نسبت تصور میں آسکے۔ پہلے دوائر بناؤ پھر نقش کرو۔

سوال :- خداوند تعالیٰ نے خود عالم کے ساتھ قرب اور احاطہ کی نسبت کا ثبات کیا ہے۔ حالانکہ موجود کو وہم کے ساتھ کیا نسبت قرب؟ اور کونسا احاطہ ہے۔؟ جس جگہ موجود ہے۔ وہاں وہم کا نام و نشان نہیں ہے تاکہ

محیط اور محاط کا تصور کیا جاسکے۔

جواب :- یہ قرب اور احاطہ وہ نہیں ہے۔ جو قرب جسم کو جسم سے ہوتا ہے۔ یا جسم جسم کا احاطہ کرتا ہے بلکہ یہ قرب و احاطہ ان نسبتوں میں سے ہے۔ جن کی کیفیت مجہول ہے۔ اور اہمیت معلوم ہے۔ ہم حق تعالیٰ کیلئے قرب اور احاطہ کا اثبات کرتے ہیں۔ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اس کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے۔ کہ کیا ہے۔ بر خلاف چاروں نسبتوں کے جن کی نفی پہلے کی گئی ہے۔ کیونکہ ان کی کیفیت بھی مجہول ہے۔ اور اہمیت بھی مجہول اور پھر بھی ہے۔ کہ شریعت میں ان نسبتوں کا ثبوت وارد نہیں ہوا ہے۔ مگر ہم ان کا اثبات کریں۔ اور ان کی کیفیت کو مجہول جانیں۔ اگرچہ انصال بے کیف کے معنی کو قرب و احاطہ کے معنی کی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے بے کیف تجویز کیا جاسکتا ہے۔ لیکن انصال کا لفظ شریعت میں نہیں آیا ہے۔ اور قرب اور احاطہ کا لفظ آیا ہے۔ منقل نہیں کہنا چاہئے اور قرب اور محیط کہہ لینا چاہیے۔ اور انفصال اور خروج اور دخول کا اطلاق بھی انصال کے اطلاق کی طرح ہے کہ وہ بھی نہیں آئے ہیں۔

اور مثال مذکورہ میں بھی اگر گردش کرنے والے نقطہ کو دائرہ موجودہ کی نسبت سے قرب اور احاطہ اور معیت ثابت کریں تو یہ بھی مجہول الکیفیت ہوگی۔ کیونکہ نسبت کو دونوں اطراف سے چارہ نہیں ہے حالانکہ موجود صرف گردش کرنے والا نقطہ ہے۔ اور اسی طرح انصال اور انفصال اور خروج اور دخول بے کیف مثال مذکور میں متصور ہے اگرچہ دونوں اطراف ثابت نہ ہوں۔ کیونکہ طریق کا وجود معلوم الکیفیت نسبت کے لئے درکار ہے کہ وہ مشہور و معتاد ہے۔ اور وہ مجہول الکیفیت ہے۔ وہ عقل کے احاطہ سے باہر ہے۔ اس جگہ طریق کے وجود کے لزوم کا حکم احکام و ہدایہ سے ہوگا۔ جو کہ اعتبار کے مرتبہ سے ساقط ہے۔ کیونکہ وہ غائب کا حاضر پر قیاس ہے۔ تنبیہ :- عالم کو جو موجودہ اند متخیل کہا ہے۔ وہ اس لحاظ سے ہے۔ کہ عالم کی پیدائش مرتبہ دہم و خیال میں واقع ہوئی ہے۔ اور اس کی کل گیری جس طرہ است و دکھانا کے درجہ میں حصول سے یوسر ہوئی ہے۔ اس تصور شخص کی طرح کہ کمال دائرہ موجودہ پر کہ جس کا حصہ سوائے اختراع و دہم و خیال کے نہیں ہے۔ اسکو مرتبہ سوم و خیال میں پیدا فرمائے۔ اور اپنی کمال کل گیری سے اس میں استواری اور استحکام کا وہ مرتبہ پیدا کرے۔ کہ اگر دہم اور خیال پوری طرح زائل ہو جائیں۔ تو اس کے ثبوت میں کوئی خلل نہ پڑے۔ اور اس کے بقا میں کوئی تصور پیدا نہ ہو۔ یہ موجودہ مخلوق کا اگرچہ خارج میں کوئی ثبوت نہیں رکھتا۔ اور خارج میں موجود وہی نقطہ ہے۔ اور اس لیکن وہ وجود خارجی سے نسبت رکھتا ہے۔ اور اس کو موجود خارجی سے ربط حاصل ہے۔ کیونکہ اگر نقطہ نہ ہوتا تو دائرہ کہاں سے پیدا ہوتا۔

خوشتریں باشند کہ مستور ہیں گفتہ آئید در حدیث دیگران

۱۵۔ یہ بڑا اچھا انداز ہے۔ کہ دونوں کا دائرہ دوسرے لوگوں کی بات ڈال کر بیان کر دیا جائے۔

اس دائرہ کو اگر ہم اس نقطہ کا رد و پوش کہیں تو گنجائش رکھتا ہے۔ اور اگر اس نقطہ کے شہود کا آئینہ کہیں تو بھی گنجائش ہے۔ اور اگر اس نقطہ کا ہادی اور دلیل کہیں تو بھی درست ہے۔ رو پوش کہنا تو عوام کی نظر سے ہے۔ اور اس کو شہود کا آئینہ کہنا مقام ولایت کے مناسب ہے۔ اور ایمان شہودی کے لائق ہے۔ اور دلیل اور ہادی کہنا کمالات نبوت کے مرتبہ سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور ایمان بالغیب کے مناسب ہے۔ جو کہ ایمان شہودی سے زیادہ کامل اور مکمل ہے۔ کیونکہ شہود میں غل کی گرفتاری سے چارہ نہیں ہے۔ اور غیب اس گرفتاری سے آزاد ہے۔ غیب میں اگرچہ فی الحال کچھ حاصل نہیں ہے۔ لیکن واصل ہے۔ اور اصل کا گرفتار ہے۔ اور شہود میں اگرچہ کچھ حاصل تو ہے۔ لیکن وہ غیر واصل ہے۔ کہ غیر کا گرفتار ہے۔ جو کہ اس اصل کا قتل ہے۔

مقصود کہ حصول نفس ہے۔ اور وصول کمال یہ بات ہر ہر قوت کے سمجھنے کی نہیں ہے۔ بلکہ قریب ہے کہ حصول کو وصول سے بہتر نہانے اور سفسطائی اپنی کمال بے وقوفی کی وجہ سے عالم کو موزوم و متخیل اس معنی سے کہتا ہے۔ کہ اس کا ثبوت و تحقق سوائے اختراع و ہم اور تراش خیال کے اور کچھ نہیں ہے۔ کہ اگر وہم و خیال تبدیل ہو جائے۔ تو اس کا ثبوت و تحقق بھی متغیر ہو جائے۔ مثلاً اگر کسی چیز کے متعلق میٹھا ہونے کا تصور کرے۔ تو وہ میٹھی ہے۔ اور اگر کسی چیز کو کسی دوسرے وقت میں کر لیا خیال کرے۔ تو وہ کڑی ہے۔

یہ بے نصیب لوگ خدا تعالیٰ کی پیدائش اور کاریگری سے غافل ہیں۔ بلکہ منکر ہیں۔ اور اس نسبت اور سند سے جو موجود خارجی کے وجود سے وہ رکھتی ہے۔ جاہل ہیں۔ اس بیوقوفی سے وہ چاہتے ہیں۔ کہ احکام خارجیہ کو جو کہ عالم سے نفاذ ہیں۔ انھاریں۔ اور آخرت کے دائمی ثواب و عذاب کا رد کریں۔ کہ جن کی اطلاع خیر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ اور جن میں مختلف کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ یہ شیطانی شکر ہے۔ خبردار شیطان کا شکریہ نقصان انھارنے والا ہے۔

سوال :- عالم کے لئے جب ثبوت و استقرار ثابت ہو گیا۔ اگرچہ وہ مرتبہ وہم و خیال ہی میں ہے۔ اور یہ چیز کی جزا و سزا بھی تم نے اس کے حق میں ثابت کر دی ہے۔ تو وہود کا اطلاق اس پر کیوں نہیں کرتے۔ اور اس کو موجود کیوں نہیں جانتے۔ اور حال یہ ہے کہ وہود اور ثبوت ایک دوسرے کے ہم معنی الفاظ ہیں۔ جیسا کہ متکلمین نے اس کو تسلیم کیا ہے۔

جواب :- صوفیائے کرام کی جماعت کے نزدیک وجود تمام چیزوں سے بڑھ کر اشرف۔ اکرم اور معزز ہے۔ اور اس کو ہر خیر کا مبداء اور ہر کمال کا منشا جانتے ہیں۔ اور ایسے نفیس جوہر کو خداوند تعالیٰ کے سوا کے لئے جو ہر ہر نفس اور شکر ہے۔ و تحمیر نہیں کرتے۔ اور سب سے اعلیٰ چیز سب سے گھٹیا کو نہیں دیتے۔ اور اس معاملہ میں ان کی دلیل کشف و فراست ہے۔ ان کا محسوس و مشہود یہ ہے کہ وہود و معرفت خداوند تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ اور حقیقت میں وہود و معرفت وہی ہے۔ اور عزیز کو جو موجود کہتے ہیں۔ وہ اس اعتبار سے ہے۔ کہ اس غیر کو ایک طرح کا تعلق اور ربط اس

وجود سے ثابت ہے۔ اگرچہ اس کی کیفیت معلوم نہیں ہے۔ اس کی مثال سایہ کی سی ہے۔ جو کہ اپنے اصل سے قیام رکھتا ہے۔ اسی طرح وہ غیر بھی اس وجود سے قائم ہے۔ اور وہ ثبوت جو کہ اس نے مرتبہ سویم میں پیدا کیا ہے اس وجود کے ظلال میں سے ایک نخل ہے۔ اور جو کہ وہ وجود خارجی ہے۔ اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ خارج میں موجود ہے تو اگر وہم کے مرتبہ کو خداوند تعالیٰ کے صنع و استواری کے بعد اس خارج کے ظلال میں سے نخل کہیں۔ تو اس کی گنجائش ہے۔ اور اس وہی ثبوت کو وہ نخل کے اعتبار سے اگر وہ وجود خارجی بھی جائیں۔ تو یہی درست ہے۔ بلکہ اگر عالم کو بھی اس غلیظت کے اعتبار سے موجود خارجی تصور کریں۔ تو یہی جائز ہے۔

مختصر یہ کہ ممکن کے پاس جو کچھ بھی ہے۔ وہ حضرت درجہ تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ سے بلا ہے۔ اپنے باپ کے گھر سے کوئی چیز نہیں لیا ہے۔ اس کو غلیظت کے لحاظ کے بغیر موجود کہنا مشکل معاملہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی خاص صفات میں شریک بنانا ہے۔ **تَعَالَى اللَّهُ عَنِ ذَالِ الْاِلْهَادِ عُلُوًّا كَبِيرًا**۔ (اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔)

اور اس فقر نے جو اپنے بعض مکاتیب اور رسائل میں جو عالم کو موجود خارجی کہا ہے۔ تو اس کو بھی اس معنی کی طرف لایعین سمجھنا چاہیے۔ اور غلیظت کے اعتبار پر محمول کرنا چاہیے۔ اور مشکلیں نے وجود کو ثبوت اور تحقق کا ہم معنی کہا ہے۔ تو یہ نفسی اعتبار سے ہوگا۔ ورنہ وجود کیا اور ثبوت کبہ وجود کو ارباب کشف و شہود اور اہل نظر و استدلال کی ایک بہت بڑی جماعت نے واجب الوجود تعالیٰ کی عین حقیقت کہا ہے۔ اور ثبوت معقولات ثانویہ (یعنی صرف ذہنی) میں سے ہے۔ اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

قائدہ: جس طرح وجود پر غیر و کمال کا مبداء اور ہر جن و کمال کا منشا ہے۔ تو عدم جو اس کے مقابل ہے۔ وہ لازمی طور پر ہر شے و نقص کا مبداء ہوگا۔ اور ہر تلخیص و ضاد کا منشا و گروہال ہے۔ تو اسی سے پیدا ہوا ہے۔ اور اگر گمراہی ہے تو بھی اسی سے ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس میں کچھ ہنر بھی و ولایت کئے گئے ہیں۔ اور کچھ غریباں بھی اس میں پوشیدہ ہیں۔ وجود کے مقابل میں اپنے آپ کو نیست مطلق بنانا اور محض لاشے سمجھنا اس کی غریبوں میں سے ہے۔ اور اپنے آپ کو وجود کی پناہ بنانا اور شہود اور نقائص کو اپنی طرف منسوب کر لینا بھی اس کے اچھے ہنرمندوں میں سے ہے۔ اور پھر وجود کا آئینہ ہونا اور اس کے کمالات کا اظہار کرنا اور اسی طرح ان کمالات کو علم کے خانہ سے باہر ایک دوسرے سے الگ کرنا اور اجمال سے تفصیل میں لانا اس کی اچھی صفات میں سے ہے۔

مختصر یہ کہ وجود کی خدمت گزاری اس سے قائم ہے۔ اور وجود کو کمال و جمال و حسن اس کے قبح و شہرت اور نقص سے ظاہر ہوتا ہے۔ وجود کا استغنا اس کی محتاجی سے ہے۔ اور وجود کی عزت اس کی ذلت سے ہے۔ اور وجود کی کبریاں و عظمت اس کی کینگی اور خاست کے ذلیلہ ہوتی ہے۔ اور وجود کی شرافت اس کی وفادت سے ظاہر

ہے۔ اور وجود کی سرمداری اس کی غلامی سے ظاہر ہوتی ہے۔ ۵

منہم کلمات و ملاطرت در کرم غلام خواجہ رازدار اور کرم

ایلیں یعنی جو ہر خدا و گمراہی کا منشا ہے۔ وہ عدم سے بھی زیادہ شریر ہے۔ اور وہ ہر جوہر عدم میں پوشیدہ ہیں۔ وہ بے دولت ان ہزوں سے بھی بے نصیب ہے۔ اَنَا خَبِيرٌ بِهٖ (میں اس سے بہتر ہوں) کا قول جو اس سے صادر ہوا ہے۔ اس نے بطلانی کے بارہ کو قطع کر دیا ہے۔ اور خالص شہرت کی طرف راہنمائی کی ہے۔ عدم جب اپنی یکتائی اور لاشے ہونے کی صورت میں وجود کے سامنے ایک تو لازمی طور پر وجود کے حسی و کمال کا آئینہ بن گیا۔ اور ایلیں یعنی نے جب اپنی ہستی اور بہتر ہونے سے معارضہ کیا۔ تو لازماً وہ مردود و مفلوج و مفلوج ہوا۔ اچھے تقابل کو عدم سے یکساں چاہیئے۔ جو ہستی کا تقابل نیستی سے کرتا ہے۔ اور کمال کے مقابل میں نقص سے پیش آتا ہے۔ اور جب ہمت و جلالا و دوسری طرف میں ظاہر ہوتا ہے۔ تو وہ اپنی ذلت و انکساری کو ظاہر کرتا ہے۔

ایلیں مردود نہ گویا عدم کی شرارتوں کو اپنے تکبر و سرکشی کے سبب سے جوہر اپنے اندر رکھتا تھا۔ اپنے میں جذب کیا ہے۔ اور یہ خیال گزرتا ہے۔ کہ عدم میں سوائے بطلانی کے اس نے کوئی چیز کم ہی چھوڑی ہے۔ ان جب تک بطلانی نہ ہو۔ بطلانی کا مظہر اور آئینہ نہیں بنایا جاسکتا۔ بادشاہ کی بخششوں کو بادشاہ کی سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں۔ مثل مشہور ہے۔

اور معلوم ہوا۔ کہ ایلیں بھی اس پر شکوہ کا رخا نہ میں ضرور چاہیئے تھا۔ کہ جو خاکروبی کر کے تمام گندگیوں کو اپنے سر پر اٹھا لے۔ اور دوسروں کو پاک و صاف کر دے۔ لیکن وہ بے دولت جب تکبر اور ترفع کی راہ سے آیا۔ اور اپنے بہتر کو نظر میں لایا۔ تو اس نے اپنے عمل کو مبالغہ کر دیا۔ اور اجر سے محروم ہو گیا۔ حَسْبُكَ الَّذِیْ نَبَا دَا الْخِرَّةَ - راصل میں اسی کے حال کا نشان ہے۔ بر خلاف عدم کے کہ وہ باوجود شہرت و نقص ذاتی اور ذاتی نیستی کے جوہر رکھتا تھا۔ محرومی سے باہر گیا۔ اور حضرت وجود کا آئینہ بننے سے مشرف ہوا۔ ۵

نے گفت کہ من نیم شکر خور شدی کہ بند شد بر خور

سوال :- ایلیں میں زیادہ شرارت کہاں سے پیدا ہوتی۔ کہ عدم کے علاوہ تو وجود ہے۔ کہ جس میں شرارت

نہیں ہے ؟

جواب :- عدم جس طرح وجود کا آئینہ ہے۔ اور اس کے غیر و کمال کا مظہر ہے۔ اسی طرح وجود بھی عدم کا آئینہ

۱۵ میں ہوں۔ جس نے اس کو استاد بنایا۔ میں غلام ہوں۔ لیکن خواجہ کو میں نے گناہ کیا ہے۔ ۱۰

۱۵ گئے نے کہا۔ میں نہیں ہوں۔ تو اس کو شرمی ل گئی۔ اور جو شاخ بند ہوتی۔ اسے کھلایا۔

ہے اور اس کے شرارت نقص کا منظر ہے۔ اور ابلیس علیہ السلام نے عدم کی جانب میں عدم سے شرارت کو حاصل کیا ہے۔ کیونکہ وہ عدم شرارت کا مقام ہے۔ اور وجود کی جانب میں بھی اس نے شرارت متوہم کو اخذ کیا۔ جو کہ عدم کا منظر اور آئینہ ہونے کی وجہ سے وجود کے آئینہ میں ظاہر ہوتی ہیں۔ پس وہ طرفین کی شرارت کا حامل ہے۔ ذاتی کا بھی اور عرضی کا بھی۔ اصلی کا بھی اور ظلی کا بھی۔ تو لازماً اس کے شرارت فنا وجود کو مخریبا نے نیستی اور لایشتیت سے جو کہ عدم کی نیک صفات سے تھیں۔ بھی موزی کر دیا۔ اور اس کے باوجود وجود کی جانب میں وہ شرارت جو کہ عدم کی آئینگی سے متوہم ہوتی تھی۔ اس سے بھی اس نے حصہ لیا۔ تو نتیجتاً ابدی نقصان کو پہنچا۔

اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد شیطان کا ہر دے۔ اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ یقیناً تو ہی عنایت کرنے والا ہے۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ و علی آلہ من التزم متابہ المصطفیٰ علیہ و علی الصلوٰۃ والتسلیمات المتہا و المکملہ۔

مکتوب نمبر ۹۹

میر محمد نعمان کی طرف صادر فرمایا۔

ہن کے سوالوں کے جواب میں جو انھوں نے پوچھ بھیجے تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

آپ نے پوچھا ہے۔ کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ عروج کے وقت سالک اپنے آپ کو ایسا۔ علیم الصلوٰۃ والتسلیمات کے صواب کے مقام پر پاتا ہے۔ جو کہ بالا جہاں اس سے افضل ہیں۔ بلکہ کبھی دفعہ تو ایسا ہوتا ہے۔ کہ اپنے آپ کو ایسا۔ علیم الصلوٰۃ والتسلیمات کے مقامات میں پاتا ہے۔ اس معاملہ کی حقیقت کیا ہے؟ بعرض آدمی اسی وجہ سے اس سالک کی ان مقامات کے اہل سے مساوات کا دم کرتے ہیں۔ اور اس کی ان مقامات میں ان مقامات والوں سے شرکت خیال میں لاتے ہیں۔ اور اس تغفل اور دم کی بنا پر اس کی تعزید کرتے ہیں۔ اور اس پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ اور اس کے حق میں زبان ملامت و شکایت دراز کرتے ہیں۔ اس معاملہ کے چہرہ سے پردہ ہٹا دینا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ پختہ لوگوں کا اور پردوں کے مقامات پر پہنچنا کبھی تو اس طرح ہوتا ہے۔ جیسے فقیر اور محتاج جو کہ دو متعصبوں کے دروازوں پر بابِ نعمت کی خاص جگہوں پر اس لئے جاتے ہیں۔ کہ وہاں سے حاجت چاہیں۔ اور ان کی نعمت

اور دولت سے گدائی کریں جو اس وصول کو مساعیات اور شرکت سمجھتا ہے۔ دوسرے ہودہ آدمی ہے۔

اور کبھی یہ وصول تلاش کی صورت میں ہوتا ہے۔ کرام اور مسالطین کے مخصوص مقامات پر سیر کے سبب سے جاتے ہیں۔ تاکہ عبرت کی نظر سے تلاش کریں۔ اور ان میں بندی کی رغبت پیدا ہو۔ اس وصول سے یہی برابری کے وہم کی کیا گنجائش ہے۔ اور اس سیر و تلاش سے شرکت کا تحیل کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔

مقام اپنے مخدوموں کے خاص مکانات میں اپنی خدمت گزاری کا حق ادا کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ اور یہ سب شرفاء اور کینے لوگوں کو معلوم ہے۔

کوئی بیوقوف ہی ہو گا جو اس قسم کے وصول پر مساعیات اور شرکت پر وہم کرے۔ ہر فرس در دست کرنے والا اور کمبیاں پہننے والا اور تلوار اٹھانے والا بڑے بڑے بادشاہوں کے ساتھ رہتا ہے۔ اور ان کے خاص مکانات میں حاضر ہوتا ہے۔ کتنا جہن ہے۔ کہ اس مقام پر شرکت اور مساعیات کا وہم کرے۔

بلائے درو مندان از دود و دیوار سے ایک

لوگ کسی بنیاد کو ملامت کرنے کے لئے کوئی بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔ اور طعن و تشنیع کے لئے کوئی جگہ تلاش کرتے ہیں حق سبحانہ و تعالیٰ ان کو انصاف کی توفیق دیں۔ چاہیے تو یہ نقد کر کسی کمزور آدمی کے حق میں رفع شر اور دفع ملامت کے لئے کوئی جگہ تلاش کرتے۔ اور ایک مسلمان آدمی کی عزت محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے جو لوگ طعن زنی کرتے ہیں۔ ان کا معاملہ در حال سے خالی نہیں ہے۔ اگر وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ اس حل والا ان مقامات والوں سے شرکت اور برابری کا معتقد ہے تو اس کو کافر اور زندق تصور کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی جماعت سے اسے خارج کرتے ہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات کے ساتھ نبوت میں شرکت اور مساعیات کا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

اور اسی طرح شیخین علیہم الرضوان کی افضلیت اجماع صحابہ و تابعین سے ثابت ہے۔ جیسا کہ اسکو اکابر ائمہ نے نقل کیا ہے۔ لیکن میں سے ایک امام شافعی علیہم الرضوان بھی ہیں۔ بلکہ تمام صحابہ کرام کو باقی تمام امت پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ کوئی نبی فضیلت خیر البشر علیہ علیہم الصلوٰات والتسلیمات کی صحبت کے فضل سے بڑھ کر نہیں ہے۔ تو وہ ان کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ وہ فقہر اساکام جو صحابہ علیہم الرضوان نے اسلام کی کمزوری اور مسلمانوں کی قلت کے وقت دین متین کی تائید اور نشر سید المرسلین علیہم الصلوٰات والتسلیمات میں کیا ہے۔ دوسرے لوگ اگر ساری عمر بھی ریاضت اور مجاہدات کے ساتھ عبادت کریں۔ تو صحابہ کرام کے اس حقوٹے سے عمل کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اگر اگر تم میں کوئی آدمی احد بہاؤتہا سونا خرچ کرے۔ تو اس کا یہ خرچ صحابہ کرام کے ایک سیر جو خرچ کرنے

کے برابر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ نصف میر تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اسی راہ سے آئی ہے۔ کہ وہ ایمان لانے اور جان و بے اندازہ مال خدات لائق میں خرچ کرنے میں سب سابقین سے سبقت لے جانے والے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ
الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ
الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكَلَّا
وَعَدَ اللَّهُ الْحَسَنَىٰ
تم میں سے وہ آدمی برابر نہیں ہیں۔ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا۔ اور لڑائی کی۔ یہ لوگ بہت بڑے درجے والے ہیں۔ ان لوگوں کی نسبت جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا۔ اور لڑائی کی۔ اور سب ہی سے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔

ایک جماعت نے دوسرے لوگوں کے کثرت فضائل و مناقب پر نظر رکھی ہے۔ اور ان کی افضلیت میں توقف کرتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے۔ کہ اگر افضلیت کا سبب کثرت فضائل و مناقب ہوتا۔ تو ایسا بھی ہوتا۔ کہ بعض اہل امت جو فضائل رکھتے ہیں۔ اپنے جی سے بھی افضل ہوتے جو یہ فضائل نہ رکھتا۔ پس فضیلت کا سبب ان فضائل و مناقب کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔ اور وہ اس فقیر کے خیال میں تائید دین میں اسبقیت اور جان و مال خرچ کرنے میں اقدمیت ہے۔ دین رب العالمین کے احکام کی مدد میں۔

اور چونکہ غیر سب سبقت کرنے والوں سے افضل ہے۔ لہذا وہی افضل ہوگا۔ اور اسی طرح جو بھی دین کے معاملہ میں اسبق ہے۔ وہ مسبقین سے افضل ہے۔ یوں سمجھو کہ سابق گویا حقیقین کا استاد و معلم ہے۔ کیونکہ متاخرین سابقین کے انوار سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور ان کی برکات سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ اور اس امت میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس دولت عظمیٰ کے مالک حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو کہ بہت سالوں جنگوں اور لڑائیوں میں خرچ کرنے اور تائید دین اور نصرت سید المرسلین علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی راہ میں رفع شان و تباہی کے لئے اپنی جان اور عزت خرچ کرنے میں سب سابقین سے اسبق ہیں۔ پس دوسروں پر ان کی افضلیت مسلم ہوگی۔

اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے غلبہ کو حضرت فاطمہ کی معرفت طلب کیا۔ اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی مدد میں عالم اسباب میں انہی سے کفایت کی اور فرمایا ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَبِّبْكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (اے نبی آپ کو اللہ اور ایمان والوں میں سے آپ کے تابعدار کافی ہیں) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ کہ آیت کے نزول کا سبب حضرت فاطمہ کا اسلام ہے۔ پس حضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی افضلیت متعین ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ان دو اکابرین کی افضلیت پر صحابہ ائمہ تابعین کا اجماع ہوا جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی فرمایا ہے کہ ابو بکر و عمر اس امت میں سے افضل ہیں۔ اور جو آدمی مجھ کو ان پر فضیلت دے۔ وہ بہتان لگانے والا ہے۔ اور میں اسے ہمت لگانے والوں کی طرح کوٹے لگاؤں گا۔

اس بحث کی تحقیق میں نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں تفصیل سے لکھی ہے۔ اور یہ مقام اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں رکھتا۔ کوئی بے وقوف ہی ہوگا جو اپنے آپ کو غیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے برابر سمجھے۔ اور کوئی احادیث و اقوال صحابہ سے جاہل اور بے خبر کوئی ہی اپنے آپ کو سابقین سے تصور کرے گا۔ لیکن جان لینا چاہیے کہ یہ سہولت کی دولت جو افضلیت کا باعث ہے۔ پہلے زادے مخصوص ہے جو کہ غیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف سے منور ہے۔ اور دوسرے زمانوں میں یہ معنی مفقود ہے۔ کیونکہ بعض زمانوں کے متاخرین دوسرے زمانوں کے سابقین سے افضل ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ایک ہی زمانہ میں بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اس زمانہ کا لاحق سابق سے افضل ہو۔ خداوند تعالیٰ طعن کرنے والوں کو انکھیں عطا فرمائیں کہ ان کو منصف تعصب و ضغنے سے ایک مسلمان آدمی کی تفصیل و تکفیر کی قباحت اور محض وہم و خیال کی بنا پر مومن آدمی کو مردود و مطرود قرار دینے اور مسلمان پر طعن زنی کرنے کی برائی نظر آجائے۔

یہ لوگ اس کا کیا علاج کریں گے۔ کہ اگر وہ آدمی تفصیل و تکفیر کے لائق نہ ہوا۔ تو وہی کفر اور گمراہی کا فتویٰ دیتے ہوئے اس پر لوث آتا ہے۔ اور کفر کا تیر لٹنہ کی بجائے تیر چلنے والے کے اندر اکوچو مست ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں آیا ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے گناہوں اور اپنے کام میں ہماری زیادتیوں کو معاف کر دے۔ اور ہمارے قدم مقبوط رکھ۔ اور ہمیں کاذبوں کی قوم پر مدد عطا فرما۔

اب ہم اصل بات پر آتے ہیں۔ اور شق ثانی بیان کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اگر اس حال والے کے حق میں طعن زنی کرنے والے یہ اتفاق دہیں رکھتے۔ اور اس کا اعادہ کفر تک نہیں پہنچاتے۔ تو پھر یہی دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا تو اس کے کشف کو جھوٹ اور بہتان پر محمول کریں گے۔ اور یہی ہی بات خود ایک مسلمان آدمی کی نسبت بگمانی ہے جو شرعی طور پر مسموع ہے۔ اور اگر اس کو جھوٹا نہیں سمجھتے۔ اور شرکت و مساوات کا معتقد نہیں جانتے۔ تو پھر طاعت و طعنہ زنی کی وجہ کیا ہے۔ اور اس کی برائی اور عیب جوئی کیوں ہے۔ بچے کشف کو اچھے معالیٰ پر محمول کرنا چاہیے۔ نہ کہ بچے کشف والے کو شامت و برائی کا نشانہ بنایا جائے۔

اگرچہ کہیں کہ اس قسم کے شور انگیز حال بیان کرنے کی وجہ کیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس قسم کے احوال کا علو و رشاخ طریقت سے بکثرت صادر ہوا ہے۔ امدان کی ہمیشہ کی عادت ہو چکی ہے۔ اور یہ پہلا شیشہ نہیں ہے جو اسلام میں توڑا گیا۔ یہ حق کی نیست اور اداۃ صادق کے سوا نہیں ہوتا۔ کبھی تو ایسا ہوتا

مستلزم ہے پھر جو دنیوی دنیا میں ناز و نعمت سے ہوگا۔ وہ لازماً آخرت میں زیادہ درد و اندامت میں مبتلا ہوگا۔ اور اسی طرح جو دنیا میں مصائب اور محن میں زیادہ مبتلا ہوگا۔ وہ آخرت میں تنعم اور تہذیب سے زیادہ محفوظ اور مسرور ہوگا۔ اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی بقا کی نسبت کاش سمندر سے ایک قطرہ کی نسبت ہی رکھتی۔ کیونکہ دنیا ہی کو غیر متناہی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ پس مجبوراً یہ نقصانے کم دوستوں کو اس جگہ چند روزہ محنت میں مبتلا رکھنا چاہیے۔ تاکہ ابدی نعمتوں سے حصہ اور مورد حاصل کر سکیں۔ اور دشمنوں کو مکر اور استدراج کے باعث فتنہ سی لذتوں سے محفوظ کرنا چاہیے۔ تاکہ بہت سے دردِ الم میں مبتلا ہوں۔

سوال :- کافر فقیر جو دنیا و آخرت میں محروم ہے اس کا دنیا میں دردِ الم میں رہنا آخرت میں تہذیب و تنعم کا باعث نہ ہوگا اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب :- کا خدا تعالیٰ کا دشمن ہے۔ اور دائمی عذاب کا مستحق۔ دنیا میں اس سے عذاب کو اٹھالینا اور اسے اپنی حالت پر چھوڑ دینا اس کے حق میں عین تہذیب و تنعم ہے۔ اور پورا پورا احسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نفس دنیا ہی کو کافر کے حق میں جنت سمجھا گیا ہے۔ غلامِ کلام یہ کہ بعضے کفار سے دنیا میں عذاب بھی اٹھالیتے ہیں۔ اور دوسری لذتیں بھی عنایت فرماتے ہیں۔ اور بعضے کافروں سے صرف عذاب کو دور کرتے ہیں۔ اور لذتوں میں سے کچھ نہیں دیتے۔ بلکہ عنت کی لذت اور رفع عذاب پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ ہر ایک کے لئے کچھ حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔

سوال :- حق سبحانہ و تعالیٰ ہر صحیح پر قیور ہیں۔ اور اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ کہ دوستوں کو دنیا میں بھی لذت بخشیں اور آخرت میں بھی نعمتیں عطا فرمائیں۔ اور ایک جگہ کی لذت دوسری جگہ کے دردِ الم کو بھی لے کر مستلزم نہ ہو۔

جواب :- کئی طرح پر ہے۔ پہلا جواب تو یہ ہے۔ کہ اگر یہ دنیا میں مصائب و شدائد چند روزہ نہ آتاتے۔ تو ان کو ابدی نعمتوں اور لذتوں کی قدر و قیمت معلوم نہ ہو سکتی۔ اور دائمی صحت و عافیت کی نعمت کو پوری طرح نہ سمجھ سکتے ہوں۔ تب تک بھوک نہ دیکھی ہو طعام کی لذت معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور جب تک گرفتاری نہ ہو۔ آزادی کی قدر نہیں ہو سکتی۔ پس گو یہ وقت حق پران کو دردِ الم میں مبتلا کرنے کا مقصد ان کا دائمی طور پر کمال لذت حاصل کرنا ہے۔ یہ ایک جمال ہے جو عوام کا امتحان کرنے کے لئے ان بزرگواروں کے حق میں بصورتِ جمال ظاہر ہوا ہے۔ یُضِلُّ بِهٖ کَثِیْرًا اَذْ یُھْدِیْ بِهٖ کَثِیْرًا۔ واللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو اس کے باعث گمراہی میں چھوڑ دیتے ہیں۔ اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ مصائب و شدائد اگرچہ عوام کے نزدیک دردِ الم کے اسباب ہیں سے ہیں۔ لیکن ان بزرگواروں کے نزدیک جو کچھ بھی جمیل مطلق جل شانہ سے پہنچے۔ وہ ان کے لئے لذت کے اسباب ہیں سے ہے۔ یہ مصائب سے ہی اس طرح لذت حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ نعمتوں سے بلکہ یہ لوگ مصائب سے زیادہ محفوظ ہوتے ہیں۔ کہ وہ خالص مہینہ

کی مراد ہیں۔ اور نعمتوں میں یہ غلوس نہیں ہے۔ کیونکہ نفس بھی نعمتوں کو چاہتا ہے۔ اور مصائب سے گریز کرتا ہے۔ پس ان اکابر کے نزدیک بلا نعمت سے بہتر ہے۔ اور یہ مصائب سے بہ نسبت نعمتوں کے زیادہ لذت حاصل کرتے ہیں۔ اور ان کی لذت تو دنیا میں ہی مصائب و شدائد ہیں۔ اگر دنیا یہ ملک نہ رکھتی۔ تو ان کے نزدیک اس کی قیمت ایک جو بھی نہ ہوتی۔ مگر یہ شیرینی اس میں نہ ہوتی۔ تو ان کی نگاہ میں محض بے کار ہوتی۔ سہ

غرض از عشق تو امام چاشنی در دو غم است در ذری فلک اسباب تنم ہے کم است

پس اللہ تعالیٰ کے دوست دنیا میں بھی لذت حاصل کرتے ہیں۔ اور آخرت میں بھی محفوظ و مسرور ہیں۔ اور انکی دنیا کی یہ لذت انکی لذت کیلئے جنگ نہیں رکھتی۔ وہ لذت اور ہے۔ جو آخرت کی لذت سے جنگ رکھتی ہے۔ جو کہ عوام کو حاصل ہے۔ ابھی یہ کیا معاملہ ہے۔ کہ تو نے اپنے دوستوں کو اس طرح کا بنایا ہے کہ جو چیز دوسروں کے لئے درد و اہم کا عیب ہے۔ وہ ان کے لئے لذت کا باعث ہے۔ اور جو دوسروں کے لئے زحمت ہے۔ وہ ان بزرگواروں کے لئے رحمت ہے۔ اور دوسروں کی نعمت بھی ان کی نعمت ہے۔

دوسرے لوگ خوشی میں خوش ہوتے ہیں۔ اور غمی میں غمناک اور یہ بزرگوار خوشی میں بھی خوش ہیں۔ اور غمی میں بھی خوش ہیں۔ کیونکہ ان کی توبہ تمام اچھے اور برے افعال کی خصوصیات سے اٹھ کر ان افعال کے فاعل کے جمال پر جو کہ جمیل مطلق ہے۔ جا لگی ہے۔ اور فاعل افعال کی محبت کی وجہ سے معبود بھی ہیں اور ان کو لذت بھی بخشی گئی ہے۔ جو چیز بھی کائنات میں قابل جمیل جل سلطان کی مراد سے صادر ہو۔ اگر یہ وہ ان کے لئے اہم اور تکلیف دہ ہی کیوں نہ ہو۔ ان کے لئے عین محبوب و مراد ہے۔ اور اس سے وہ لذت حاصل کرتے ہیں۔

خداوند اے کتابدار احسان اور کرامت ہے۔ کہ ایسی پوشیدہ دولت اور خوشگوار نعمت کو تو نے غیروں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھا ہے۔ اور اپنے دوستوں کو عطا فرمائی ہے۔ اور ان کو ہمیشہ اپنی مراد پر قائم رکھ کر محفوظ اور متلذذ بنایا ہے۔ اور ناپسندیدگی اور درد و اہم جو دوسروں کا حصہ ہے۔ وہ تو نے ان بزرگواروں سے زائل کر دیا ہے۔ اور تنگ و رسوائی جو دوسروں کے لئے عیب ہے۔ وہ اس طاقت علیہ کے لئے جمال و کمال ہے۔ اور عین نامرادی میں تو نے ان کی مراد رکھی ہے۔ اور یہ دنیا میں ان کا لذت و مسرور حاصل کرنا دوسروں کے برعکس ان کے لئے محفوظ و ترقیات کا سبب بنایا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ جس پر چاہے کرے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل و اسرار ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ دنیا دار الامتحان ہے۔ اس میں حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور حق اور باطل واسطے ہیں۔ اگر دوسروں پر مصائب و شدائد نہ ڈالتے۔ اور یہ صرف دشمنوں ہی کے لئے ہوتے۔ تو دوست اور دشمن میں تمیز و جاتی

سلطہ تیرے عشق سے میری لڑائی در دو غم کی چاشنی ہے۔ در دو امکان کے نیچے نعمتوں کے اسباب کی کمی نہیں ہے۔

اور امتحان و آزمائش باطل ہو جاتا۔ اور یہ ایمان بالغیب کے مٹانی ہے۔ کہ دنیا اور آخرت کی تمام سعادتیں اسی سے وابستہ ہیں۔ اور یہ آیت کریمہ اَلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ (رو لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں) اور یہ آیت کریمہ بھی وَ لَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ مَنْ يُصَوِّرُكَ وَ رُسُلَهُ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ظاہر کر دے۔ جو اس کی اور اس کے رسولوں کی بات دیکھ کر مکر رہتے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ طاقتور ہے۔ غالب) اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

پس دشمنوں کی انکسوں میں غمک ڈالتے ہوئے دوستوں کو بھی مشکلات اور مصائب میں مبتلا کر دیا۔ تاکہ ابتداء و آزمائش کی حکمت پوری ہو۔ اور دوست عین مصیبت میں بھی لذت گیر ہوں۔ اور دشمنان کو ریاض نامہ اور بے نصیب رہیں۔ یُضِلُّ سُبُلَ الْكٰثِرِیْنَ اَوْ يَهْدِيْ سُبُلَ كَثِيْرًا۔ واللہ تعالیٰ بہت لوگوں کو اس کفریہ گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ اور بہت لوگوں کو ہدایت دیتا ہے) انبیاء علیہم السلام کا معاملہ بھی کافروں کے ساتھ اسی طرح رہا ہے۔ کبھی اس جانب غلبہ ہو جاتا۔ اور کبھی اس جانب۔ جنگ بدر میں غلبہ مسلمانوں کی طرف تھا۔ اور جنگ احد میں اہل کفر غالب تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنْ يَنْصَرِفْ عَنْكُمْ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ فَرْحٌ مِّثْلُهُ وَ تِلْكَ اَلْاَيَامُ نُنَادِیْهِمْ اَبَیْنَ النَّاسِ وَ لَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَعِیْنَنَّ مِنْكُمْ شَہَدًا ؕ وَ اَللّٰهُ لَا یُھِیْطُ عَلَیْہِیْنَ وَ لَیْمَحْصَیْ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ یَبْحَثُ الْکَافِرِیْنَ۔ اگر تمہیں زخم پہنچے ہیں۔ تو دوسری قوم کو بھی اسی طرح کے زخم پہنچے ہیں۔ اور یہ دن ایسی جن کو ہم لوگوں میں پھرتے رہتے ہیں۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ظاہر کر دے۔ جو ایمان لائے۔ اور تم میں بعض کو شہادت نصیب ہو۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو خالص کر دے۔ اور کافروں کو مٹا دے۔

اور چونکہ جواب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اسے طاقت ہے۔ کہ دوستوں کو بھی اس جگہ ناز و نفیم عنایت فرمائے۔ اور اس جگہ بھی لیکن یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عادت کے منافی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے چاہے ہے۔ کہ اپنی عادت کو اپنی حکمت اور عادت کے ماتحت پوشیدہ رکھے۔ اور اسباب و علل کو اپنی جناب تقدس کا پردہ بنائے۔ پس چونکہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد تھیں۔ لہذا دوستوں کے لئے بھی مصائب و شدائد دنیا سے چلائے۔ نہ تھا تاکہ آخرت کی نعمتیں صرف انہی کے لئے خوشگوار اور خوش بہم ہوں۔ اور اس بات کی طرف پہلے اصل سوال کے جواب میں اشارہ کر چکا ہے۔

اب ہم اصل بات پر گئے ہیں۔ اور اصل معافی کے جواب کا تقاضا بیان کرتے ہیں کہ مصائب و شدائد کے بعد
 کا اصل سبب اگرچہ گناہ اور برائیوں کا ارتکاب ہے۔ لیکن وہ مصائب و شدائد اصل میں ان گناہوں کا کفارہ ہیں۔
 اور ان گناہوں کے عطا کیے گئے گناہوں کو دور کرنے والے ہیں۔ پس مہربانی یہی ہے کہ دوستوں کو زیادہ سے زیادہ مصائب و شدائد
 پہنچائیں تاکہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ اور ان کے گناہوں کے اندھیرے دور ہو جائیں۔ اور یہ بھی یاد
 رکھیں کہ دوستوں کے گناہ اور غلطیاں دشمنوں کے گناہوں اور غلطیوں کی طرح نہ سمجھیں۔ حَسَنَاتُ الْاَبْدَادِ
 سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ۔ (نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے گناہوں جیسی ہوتی ہیں) آپ نے بھی سنا ہوگا۔
 اور اگر کوئی گناہ یا نافرمانی ان سے سرزد بھی ہو جائے۔ تو وہ دوسروں کے گناہ اور نافرمانی کی طرح نہیں ہوتا۔ ممکن
 ہے کہ وہ سہو و لہو کی قسم سے ہو۔ اور اس میں ارادہ و قصد نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ عَمِلْنَا ذِٰلِیْ
 اَٰمَ مِنْ قَبْلُ فَتِیْسَیْ ذَکَرُ خُذْکَ خَوْفًا۔ (ہم نے اس سے پہلے آدم سے مہر دیا تھا۔ پس وہ بھول
 گئے۔ اور ہم نے اس کا نذرانہ کرنے کا ارادہ نہ پایا۔)

پس مصائب و شدائد کی کثرت گناہوں کے کفارہ کی کثرت پر دلالت کرتی ہے۔ نذرانہ ہونے کی کثرت پر دوستوں پر اسطرح زیادہ مصیبت
 ڈالتی ہے کہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ اور ان کو پاک و صاف کر کے لے جائیں۔ اور ان کو آخرت کے مصائب سے محفوظ رکھیں۔
 منقول ہے کہ رسول کریمؐ کے سکرات موت میں دو رسول کریمؐ کی اس بے کلامی و بیخبری میں حضرت فاطمہؑ اس کمال شجاعت و مہربانی
 کی وجہ سے جو ان کو رسول کریمؐ سے ملتی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا تھا۔
 بُعِثَتْ سِنِّیْ اَفَاظِرِیْہِ۔ (جو کلمہ ہے۔) بڑی پریشان تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ
 عنہا اس وقت بے چینی اور بے قراری میں مشاہد فرمایا۔ تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی تسلی کے لئے فرمایا۔ کہتا ہے
 باپ پر صرف یہی محبت ہے۔ اور اس کے بعد کوئی ناپسندیدہ بات نہ ہوگی۔

کتنی بڑی دولت ہے کہ ہمارے سخت اور دائمی فذاب کو چند روزہ محنت کے عوض اٹایا جائے۔ اور یہ
 معاملہ موت و منتوں سے کہیں گے۔ دوسروں سے معاملہ نہ ہوگا۔ اور ان کے گناہوں کا کفارہ اس جگہ پوری طرح نہیں نکلے گا
 بلکہ ان کو آخرت میں بدل دیں گے۔ تو لازمی طور پر دوست دنیا۔ مصائب کے حق دار ہوں گے۔ اور دوسرے
 اس دوست کے لائق نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان کے گناہ بڑے ہیں۔ اور وہ انجا و لضرع و زاری و عاجزی و استغاثہ سے
 بہت کم حصہ رکھتے ہیں۔ اور گناہ کرنے پر دلچسپی ہیں۔ اور پورے ارادہ و قصد سے گناہ کرتے ہیں۔ اور سرکشی سے بھی غالی

نہیں ہیں۔ اور قریب ہے۔ کہ کلمات خداوندی محل شکر سے ٹھٹھا اور مذاق کریں۔ اور انکار کریں۔ اور بدلتے تو گناہ کے مطابق ہے۔ اگر جرم ہلکا ہوگا۔ اور مجرم کوئی خدا سے بنا مانگے گا۔ اور عاجزی کرے گا۔ تو اس گناہ کو کفارہ کے قابل بنا دیں گے۔ اور ذیوی مصیبت میں مبتلا کریں گے۔ اور اگر گناہ سختی و شدت میں زیادہ اور مجرم سرکش اور تکبر بھی ہو تو اس گناہ کو آخرت کی سزا کے لائق بنا دیتے ہیں۔ جو کہ بہت زیادہ سخت اور ہمیشہ کی ہے۔ اور انہی نفعائے نہ ان پر ظلم نہ کیا۔ بلکہ وہ خود ہی اپنے جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

آپ نے لکھا ہے۔ کہ آدمی ٹھٹھا اور مذاق کرنے میں اور کہتے ہیں۔ کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو محنت اور مصائب میں کیوں مبتلا کرتا ہے۔ اور کیوں ان کو ناز و نعمت میں نہیں رکھتا۔ اور ایسی گفتگو سے ان کی مراد اس جماعت کی نفی ہوتی ہے۔ کافر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ایسی ہی باتیں کیا کرتے تھے۔

وَقَالُوا مَا الْفِدَاءُ اللَّهُ سُبُلَ يَأْكُلُ الطَّعَامَ
وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ
فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا أَوْ يُلْقَى إِلَيْهِ كِتَابٌ فَيَكُونُ
لَهُ حُجَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا (فرقان پ ۱۸)

اور انھوں نے کہا یہ کیا رسول ہے جو کھا کھاتا ہے۔ اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ جو اس کے ساتھ ڈرائے والا ہو تاکہ اس سے کوئی غرمانہ ہی برا جائے یا اس کا کوئی بارغ ہو تاکہ اس سے کھاتا۔

اور ان باتوں کا اور مدار آخر اور ثواب و عذاب دائمی کے انکار پر ہے۔ اور وہ سراور مدار لذات فانیہ و اجل کے اعتداد و اعتبار پر ہے۔ جو آدمی آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اور آخرت کے ثواب و عذاب کو دائمی جانتا ہے۔ اس کی نگاہ میں یہ چند روزہ محنت و مصیبت کچھ بھی نہیں ہے۔ بلکہ اس وقتی مصیبت کو جو ہمیشہ کے آرام کا سبب ہے۔ میں راحت تصور کرتا ہے۔ لوگوں کی باتوں پر نہ جاؤ۔ محنت و مصیبت کا روزہ محبت کا مغز گواہ ہے۔ باطن کے اندر۔ اگر اس کو محبت کے منافی تصور کرتے ہیں تو کیا کیا جلتے۔ جانوں اور ان کی باتوں سے منہ پھیرنے کے علاوہ کوئی علاج نہیں ہے۔ فَأَصْبِرْ صَبْرًا جَدِيدًا۔ (آپ اچھا صبر کریں۔)

اور اصل سوال سے دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ مصیبت محبوب کا تازیانہ ہے۔ جو کہ محبوب کو ماسوائے محبوب کے اور طرف توجہ کرنے سے منع کرتا ہے۔ اور اس کو پوری طرح جناب قدس محبوب کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ پس روزہ بلا کے لائق دوست ہیں۔ اور یہ مصیبت ان کے ماسوائے محبوب کی طرف توجہ کرنے کے گناہ کا کفارہ ہے۔ اور دوسرے اس درجات کے لائق نہیں ہیں۔ اور ان کو کیوں نہ ہو سستی و غرور کی طرف لائیں۔ وہ جس کو چاہتے ہیں نذر اور بار سے محبوب کی طرف لے آتے ہیں۔ اور اس کو معنویت کے مقام پر لے جاتے ہیں۔ اور جس کو نہیں چاہتے۔ اس کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اگر وہ ابدی سعادت رکھتا ہے۔ تو ثابت (رجوع الی اللہ) کی راہ پر اتفاقاً پڑتا ہے۔ اور خدا ان کے فضل و عنایت سے اپنے مقدر پر ترجیح جانتا ہے۔ مگر نہ جانتا ہے۔ اللہ اس کا کام۔ یا اے مجھے

ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے سپرد نہ کر

پس معلوم ہوا کہ مراد کے لئے مریدوں کی نسبت زیادہ مصائب نازل ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ مریدوں اور مجبوروں کے سرطانیوں فرمایا ہے۔

وہی ایذا مجھ دی گئی ہے، اتنی اندک سی نبی کو نہیں دی گئی۔ پس بلائے دلاکار کا معنی ادا کیا۔ جو اپنی دلائل کی وجہ سے دوست کو دوست تک پہنچاتی ہے۔ اور دوست کے علاوہ اور طرف تو ہر کرنے سے پاک کرتی ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ اگر دوستوں کے پاس کوڑ بھی ہوں، تو وہ صے کر بلا مصیبت کو خریدیں۔ اور دوسرے کوڑ دے کر اس بلا کو دور کرتے ہیں۔

سوال۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوست سے بھی مصیبت اور سختی آنے کے وقت بے چینی اور ناپسندیدگی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب۔ وہ ناپسندیدگی اور بے چینی ظاہری ہے۔ اور بے تقاضائے بشریت ہے کہ اس کے باقی رکھنے میں ملکیتیں اور مصلحتیں ہیں۔ کیونکہ نفس کے ساتھ دشمنی اور ہوا اس کے سوا متصور نہیں ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ وہ بے قراری اور بے آرامی ملامتیں دینا کے سوا اسے سکرات موت کے وقت ظاہر ہوئی۔ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام اور وہ نفس کے ساتھ بقیہ جہاد تھا تاکہ ختم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کا خاتمہ خدا کے دشمنوں سے جہاد کرتے ہو۔ اور شدت جہاد و دلائل کرتی ہے تاکہ صفات بشریت کا سوا پوری طرح ختم ہو جائے۔ اور نفس کو کمال اطاعت میں لا کر ایمان کی حقیقت تک پہنچا دے۔ اور پاک و صاف کر دے۔

پس بلا بازار محبت کی دلاکار ہے۔ اور جو محبت نہ رکھتا ہو۔ اس کو دلاکار سے کیا کام اور دلائل اس کے کس کام اور پھر اس کے نزدیک اس کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟

اور مصیبتوں کے آنے کی دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ پیچھے محب اور جھوٹے مدعی کے درمیان تمیز ہو جائے۔ کیونکہ اگر وہ سچا ہے۔ تو مصیبت کے وارہ ہونے سے اس کو لذت اور خوشی حاصل ہوگی۔ اور اگر جھوٹا مدعی ہے تو بلا سے اس کا حصہ سوائے ناپسندیدگی اور درد و الم کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور یہ تمیز صرف اسے ہی حاصل ہو سکتی ہے جس میں سچائی کی انکیزش ہو۔ تاکہ وہ ناخوشی اور درد کی حقیقت کو ناپسندیدگی اور درد کی صورت سے علیحدہ کر سکے۔ اور صفات بشری کو صورت صفات بشری سے تمیز کر سکے۔ ورنہ کوئی ہی جانتا ہے اسی بیان کی طرف اشارہ ہے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی بطلان کی راہ کی طرف ملامتانی کرنے والے ہیں۔

اور آپ نے یہ بھی پوچھا تھا کہ عدم کو لاشے نفس کہتے ہیں۔ تو اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا۔ اور جب اس وجود نہ ہوگا۔ تو اس وجود سے جو اسے فہم میں پیدا کیا۔ جسے اس پر آثار و ترقیات کیسے ہو سکتے ہیں۔ اور اگر ہوں گے

بھی تو وہ فہمی ہوں گے تو وہ خیال کے دائرہ سے کیسے باہر آسکیں گے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ عدم اگرچہ لاشے ہے لیکن یہ تمام کارخانہ دنیا اسی پر قائم ہے۔ اور تفصیل اور کثرت دنیا کا منشاء اس کا اپنے ہونا ہے۔ اور اس نے انہی کی صورتیں بنائیں جو کہ عدم کے اپنے میں منعکس ہوتی ہیں۔ اس کو متیز کیا ہے۔ اور ثبوت علی بنی ہے۔ تو انہی چیزوں کو مفعول لاشیت سے باہر نہ لائی ہے۔ اور اس کو آثار و احکام کا منشاء قرار دیا ہے۔ اور یہ آثار و احکام علم کے دائرہ سے باہر بھی حاصل ہیں۔ اور مرتبہ حسن و قبح میں بھی ثابت ہیں۔ اور جب خداوند تعالیٰ کی کمال صحت نے اس میں ثبات و استقرار پیدا کیا ہے۔ اور وہ حق و عدم کے زائل ہونے سے بھی زائل نہیں ہوتے۔ تو کہا جاتا ہے کہ یہ آثار و احکام خارجی ہیں۔ آپ عدم تزیات سے کیا تعبیر کرتے ہیں۔ کہ کائنات کا یہ تمام وجود شوکتِ عد ہی پر مبنی ہے۔

خداوند تعالیٰ کی کمال قدرت کا مشاہدہ کرو کہ عدم ہی سے یہ اتنا وسیع کارخانہ تیار کیا ہے۔ اور وجود کے کمالات کو اس کے نقائص سے ظاہر فرمایا ہے۔ عدم کی ترقی کی راہ کمال قہوں میں ہے۔ کہ اس میں وہی عمل سلطانہ کے صورت میں ایک حجب میں متکون ہیں اور اس کے ساتھ ہم بستری ہیں۔ اور اس کے پہلو میں ہیں۔ اور صور سے حقیقت تک اور ظلال سے اصل تک کھلی سرگ۔ واقع ہے کوئی باطن کا اندھاری ہوگا جس کا اساس نہ کرے۔

إِنَّ هَذِهِ بَدَنٌ كَرِيمٌ شَاءَ أَنْ تَخْلُقَ
إِنَّمَا بَدَنٌ كَرِيمٌ شَاءَ أَنْ تَخْلُقَ
یقیناً ایک نصیحت ہے۔ سو خوشنصص چاہے اپنے رب کی طرف رہے۔

فہم اور خیال کا لفظ ایکو شہید ہے۔ نہ ٹوٹے۔ اور آثار و ترقیات کو مٹوا ہی لگا میں دشوار نہ دکھائے۔ کہ جو معاملہ ہمیں ہے۔ وہ علم و خیال سے باہر نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ یہ ہے۔ کہ خیال سے خیال تک بڑا فرق ہے۔ خلق خیال کے اور مرتبہ میں ہے۔ اور عدم و خیال کی اختراع اور چیز ہے۔ کیونکہ پہلا تو نفس الامری ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ موجود خارجی بھی ہے۔ اور دوسرا اس دولت سے بہت کم حصہ رکھتا ہے۔ اور اس ثبات و استقرار سے بہت کم نفع اٹھانے والا

عدم کے بعض ہمنوں کو جو علیحدہ مکتوب میں لکھے ہیں اور ان کی نقل میر حبیب اللہ سے گئے ہیں۔ اگر شوق رکھتے ہوں۔ تو ان کا مطالعہ کریں۔

اور آپ نے فنا اور بقا کے متعلق بھی پوچھا تھا۔ اس کلمہ کے معنی کو اس فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں بہت جگہ لکھا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی پوشیدگی ہو تو اس کا علاج حاضر ہونا اور رو برو باتیں کرنا ہے۔ پورے حقیقت

کھنسنے میں نہیں آسکتی۔ اور اگر اتنی بھی ہے تو اس کا ظہار خلافت مصلحت نظر آتا ہے۔ کوئی کتنا سمجھے اور کتنا پاسے۔
 قتادہ بقا شہودی سہ۔ دجودی نہیں ہے۔ کہ بندہ نہ تو لاشے ہوتا ہے۔ اور نہ خدا تعالیٰ سے متحد ہوتا ہے۔ بندہ ہمیشہ
 بندہ ہی رہتا ہے۔ اور رب ہمیشہ رب ہی ہے۔

وہ بے دین لوگ ہیں جو فتنہ بقاء کو دجودی تصور کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ بندہ وجودی لوازمات کو زائل کر کے
 اپنے اصل سے جو کہ تعینات و قیود سے پاک ہے۔ متحد ہو جاتا ہے۔ اور اپنے آپ سے ناجیز ہو کر اپنے رب کے
 ساتھ بقا پیدا کر لیتا ہے۔ جیسا کہ قطب جو اپنے آپ سے فانی ہو کر وہاں میں ملحق ہو جاتا ہے۔ اور اپنی قید کو زائل کر دیتا
 ہے۔ اور مطلق کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے۔ البتہ تعالیٰ ہمیں ان کے بڑے عقائد سے محفوظ رکھیں۔

فنا کی حقیقت ماسوا کو بھول جانے سے عبارت نہیں۔ اور البتہ تعالیٰ کے سوا اوروں کی گرفتاری سے آزاد
 ہونا اور سینہ کے میدان کو اپنی ان تمام مرادات و خواہشات سے پاک کرنا ہے۔ جو کہ بندگی کے مقام کے لائق ہیں۔ اور
 بقا کے مقام کے مناسب یہ ہے۔ کہ بندہ اپنے مولائی مرادات پر قائم ہو جائے۔ اور ایات انفسی کے شائبہ کے
 بعد البتہ تعالیٰ کی مرادات کو عین اپنی مرادات پاتا ہے۔

اور آپ نے پوچھا تھا۔ کہ وہ سیر جس کو انفس سے باہر کھنسنے ہیں۔ وہ کوئی ہے۔ کیونکہ وہ گمان مرتب کی سیر فی
 عالم خلق اور عالم امر اور سیر فیہیت و وحدانی یہ سب تو انفس میں داخل نظر آتے ہیں۔ پھر انفس سے ملو اور کون سی سیر
 ہے۔؟

جان لینا چاہیے۔ کہ اتفاق کی طرح انفس بھی اسما۔ نے اس کے اسلخانہ کا نام ہے۔ اور عیب بفضل خدا
 جل سلطانہ اپنے آپ کو فراموش کر کے۔ اپنے اصل کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور اپنے اصل سے محبت پیدا کرتا
 ہے۔ تو لازماً بحکم اَنتُم مَدْعَمٌ مِّنْ أَحَبِّ رَاقِبِی اسی کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔ (اپنے آپ
 کو وہی بتا اصل پاتا ہے۔ اور اپنی آئینوں کو اسی اپنے اصل پر ڈال دیتا ہے۔ اور اسی طرح چونکہ اس اصل کا اصل
 ہے۔ تو اس اصل سے اس اصل تک چلا جائے گا۔ بلکہ۔ اپنے آپ کو اس اصل کا عین پاسہ لگا۔ اور اسی طرح آگے
 سلسلہ چلتا جائے گا۔ یہاں تک کہ خداوندی تحریر اپنی مدت کو پہنچے۔

یہ سیر سیر انفس و سیر اتفاق کے علاوہ ہے۔ لیکن یہ جانتا چاہیے کہ ایک جماعت نے سیر انفسی کو سیر فی اللہ
 کہا ہے۔ اور وہ سیر جو بیان کی گئی ہے۔ وہ اس سیر کے علاوہ ہے۔ جو انہوں نے کہی۔ کہ یہ سیر حصول ہے۔ اور وہ
 سیر وصول۔ اور حصول اور وصول کے فرق میں ہیں۔ اپنے تمام مکتوبات میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اس جگہ سے
 معلوم کرنا چاہئے۔

اور آپ نے ذات و صفات و افعال و واجبی جل سلطانہ کی قرینیت کے متعلق پوچھا تھا۔ اس کا بیان بھی حاضر ہو

سے تعلق رکھتا ہے۔ لکھنا معلومت کے خلاف ہے۔ اور اگر لکھوں بھی تو معلوم نہیں کہ آپ کی سمجھ میں آسکے یا نہ اور اگر بائنا فہم گفتگو سے بھی آپ کی سمجھ میں آجائے۔ تو عقیمت ہے۔

اور بعد آپ نے مرتبہ نبوت کے کمالات کے متعلق دریافت کیا ہے۔ کہ فناء بقا و تجلی و مبدائیت تعین اپنے تمام مراتب میں ولایت ٹکڑے ٹکڑے کمالات ہیں۔ اور نبوت کے کمالات کے مراتب کی سیر کس طرح ہے؟

معلوم ہونا چاہیے کہ مراتب درج میں جب تک ایک دوسرے سے امتیاز حاصل ہے اور ایک اصل سے دوسرے اصل تک پہنچتا ہے۔ تو وہ تمام کمالات دائرہ ولایت میں داخل ہیں۔ اور جب یہ تیز ختم ہو جائے۔ تو یہ تفصیل کم ہوجاتی ہے۔ اور معاملہ خالص اہل اور بساطت پر جا پڑتا ہے۔ تو اس وقت مرتبہ نبوت کے کمالات شروع ہوجاتے ہیں۔ اور اس مرتبہ میں بھی اگرچہ وسعت ہے رات اللہ و اسع علیکم۔ (اللہ تعالیٰ فرامی جائے جائے جائے ہیں۔) لیکن وہ وسعت دوسری قسم کی وسعت ہے۔ اور اگر تیز ہے۔ تو وہ بھی دوسری قسم کی۔ اس سے زیادہ کیا لکھوں۔ اور کیا سمجھ میں آئے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما۔ اے ہمارے رب ہمارے اس معاملہ میں بھلا پیدا کر۔

آپ نے جو فرائض بعض اسرار کے متعلق پوچھا تھا۔ اس کا جواب کسی دوسرے وقت پر ڈال دیا گیا ہے کہ اوقات وقت بہت تنگ ہے۔ اور زمانہ اور زمانہ والوں سے وقت کی چوری کر کے کچھ لکھا ہے۔ فقیر پر رحم کر۔ اور استغفار۔ پروردگار نہ ہو۔ اے ہمارے رب ہمارے گناہ اور اپنے کام میں ہماری زیادتیاں معاف کر دے۔ اور ہمارے قدم مضبوط رکھنا میں کافروں کی قوم پر مدد دے۔ تمام تعریفیں اللہ احسن اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ پہلے بھی اور بعد بھی اور درود اور رحمت ہو ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول اور ان کی آل کرام اور ان کے صحابہ عظام پر قیامت کے دن تک۔ والسلام علی من اتبع الهدی۔ واطرع متابعت المصطفیٰ علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام

اللہ تعالیٰ کی مدد اور اچھی توفیق سے دوسرے دفتر درجوں میں ختم ہوا اور اب ان شاء اللہ تیسرا دفتر شروع ہوتا ہے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وعلیہم اجمعین برکت و بوارحم الراحمین دعا ہے اللہ تعالیٰ اصل کتاب کی طرح اس ترجمے کو بھی قبولیت عام کا درجہ عطا کرے۔ اور مرتبہ جم و ناشر اور استفادہ کرنے والوں کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ ہجرت سید المرسلین علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین آئین تم تکمیل برکت یار محمد رحیم وصلی اللہ تعالیٰ علی محمد وعلیہ و آئینہ محمد و آلہ واصحابہ وسلم و بارک

غلام محمد سعید احمد نقشبندی خطیب مسجد

صبار شریف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

لاہور ۶ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ